www.urducouncil.nic.in

اپریل 2019، قیمت :-/10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
عالمی یومِ صحت	صحت اور ہماری ذمہ داریاں	امتیاز احمد انصاری	06
عالمی یومِ ارض	یہی ہے اچھا انعام	شمع اختر کاظمی	09
مضمون	اور یہ دن بھی خاموشی سے گزر گیا	مدثر رضا	14
نظمیں	آسماں	شفیق محسن	16
	سروجنی نائیڈو	محمد رفیع انصاری	16
	بہلو سے	صابر سنبھلی	17
	جھرنا	محمد زاہد	17
مضامین	کوڑی	بانو سرتاج	18
	کرنل جم کاربٹ	ریحان احمد عباسی	22
کہانیاں	معاف کردو... پلیز!	معزالدین ماجد	25
	سانچ کو آنچ نہیں	سلطان آزاد	28
	چھوٹی گڑیا	ندیم غوری	30
	نیکی زندہ رہتی ہے	غلام محی الدین ترک	32
	ڈاکٹر راجو	تسنیم فاطمہ	37
	ایک پری کی مدد	زیب النساء حیا	39
باتصویر کہانی	انصاف	محسن خان	41
قسط وار ناول	شہر میں جنگل	کمارن ست سیوم	46
کہکشاں	انٹرنیشنل ریاضی اولمپیاڈ	عشرت جہاں	52
	اردو زباں ہماری	انشرح فاطمہ	53
	اقوالِ زریں	شیخ عظمیٰ حنیف	53
	چائے کی کھیتی	انصار احمد معروفی	54
	یہ مزے مزے کی حکایتیں		56
ننھے فنکار	کرکٹ ورلڈ کپ	انصاری اعجاز حفظ الرحمن	57
	بچوں کی پینٹنگ		60
	فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 04 اپریل 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100/ روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

آپس کی باتیں

اپریل کا مہینہ کئی معنوں میں اہمیت کا حامل ہے۔ اسی ماہ سے موسم بہار کے جانے اور موسم گرما کے آنے کا پتہ چلتا ہے۔ آپ سب اپنے امتحانات سے فارغ ہو جاتے ہیں اور گرمی کی چھٹیوں کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تمام بورڈ امتحانات مارچ اپریل ہی میں ہوتے ہیں اور اسکولوں میں نئے سیشن کا آغاز بھی اپریل سے ہی ہوتا ہے۔ امتحانات کے بعد اور نئے سیشن کے شروع ہونے سے پہلے کا وقفہ بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ بہت سارے طلبا نئے اسکول جاتے ہیں اور نئے دوستوں سے ملتے ہیں۔ بہت سارے بچے اس بریک میں کہیں گھومنے نکل جاتے ہیں تو کئی طلبا اپنے ریزلٹ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں۔ آپ سب نے اگر اپنے کورس کو اچھی طرح پڑھا ہوگا تو کوئی مشکل نہیں ہے لیکن کئی بچے پڑھائی پر کم توجہ دیتے ہیں اور وہ آخر کے دنوں میں رات دن ایک کر کے پڑھتے ہیں جس سے ان کی صحت پر بھی خراب اثر پڑتا ہے اور ان کا ریزلٹ بھی خراب ہو جاتا ہے، اسی لیے آپ سب کو مشورہ ہے کہ پورے سال کا کام پورے سال میں ہی کریں۔ تھوڑی تھوڑی محنت آپ کو کبھی مشکلات میں نہیں ڈالے گی۔

یہ تو ہوئیں کورس کی کتابوں کی باتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو وقت نکال کر دوسری کتابیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ جیسے آپ سب 'بچوں کی دنیا' بہت توجہ سے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح آپ دیگر کتابوں کے مطالعے کی بھی عادت ڈالیں۔ آج دنیا ہائی ٹیک ہوگئی ہے۔ اکثر لوگوں کا زیادہ تر وقت موبائل پر گزرتا ہے اور اس سے وقت گزاری کے علاوہ کچھ بھی نہیں حاصل ہوتا۔ اس لیے آپ سب موبائل کا اتنا ہی استعمال کریں جتنا ضروری ہو اور بچا کھچا وقت کتابوں کے مطالعے میں لگائیں۔ کیوں کہ یہ مطالعہ آپ کو ساری زندگی سرخرو بنائے رکھے گا۔ کتابیں صدیوں سے انسان کی اچھی دوست تھیں اور آگے بھی رہیں گی۔ اب مطالعے کا ارادہ کرنے کے بعد ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیسی کتابیں پڑھی جائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ کوئی بھی ایسی کتاب پڑھیں جس میں کچھ سیکھنے، سمجھنے کی باتیں ہوں۔ عظیم لوگوں کی سوانح عمریاں، اچھی کہانیاں، معلوماتی کتابیں آپ کو ضرور پڑھنی چاہئیں۔ مثال کے طور پر الف لیلیٰ ہزار داستان، آرائش محفل یا قصہ حاتم طائی، پنچ تنتر کی کہانیاں، گلستان سعدی، شاہنامہ، رابنسن کروسو، ہیری پوٹر، رولڈ ڈہل اور ای۔ بی وائٹ کی کتابیں اردو میں نظیر، علامہ اقبال، حالی، اسماعیل میرٹھی کی نظمیں آپ سب کو ضرور پڑھنی چاہئیں۔ ان نظموں میں آپ کو زبان و ادب کا ایسا خزانہ ملے گا جو ساری زندگی آپ کا ساتھ نبھائے گا۔ پریم چند، کرشن چندر، ڈاکٹر ذاکر حسین، حامد اللہ افسر، شفیع الدین نیر، ظفر پیامی، سراج انور، مظہر الحق علوی وغیرہ کی کتابیں بھی آپ ضرور پڑھیں۔ اگر ان میں سے دو تین کتابیں بھی آپ نے چھٹیوں میں پڑھ لیں تو سمجھ لیں کہ آپ نے بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ کتابوں کو آپ خود سے جتنا زیادہ قریب رکھیں گے کتابیں اتنا زیادہ آپ کی کامیابی میں ساتھ دیں گی۔ آپ اپنے والدین کو کہیں کہ وہ آپ کے لیے ایسی کتابیں ضرور لا کر دیں۔ اپنے اسکول کی لائبریری میں بھی آپ کو یہ کتابیں آسانی سے مل جائیں گی۔ بہت ساری کتابیں اب انٹرنیٹ پر پی ڈی ایف کی شکل میں بھی موجود ہیں۔ آپ ان سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن زیادہ دیر تک موبائل یا کمپیوٹر پر پڑھنے یا مطالعہ کرنے میں تھکان آپ پر حاوی ہو سکتی ہے۔ اس لیے کتاب کو کتاب کی ہی شکل میں پڑھیں۔

ماہ اپریل میں عالمی یوم صحت اور عالمی یوم ارض بھی منایا جاتا ہے۔ عالمی یوم صحت 7/ اپریل کو منایا جاتا ہے۔ جس کا مقصد دنیا میں صحت اور علاج کے تئیں لوگوں میں بیداری پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح 22/ اپریل کو عالمی یوم زمین ہے۔ اس دن کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ اپنی اس خوبصورت زمین کی کس طرح حفاظت کی جائے اور کس طرح ماحول کو طرح صاف ستھرا رکھا جائے۔ اس دن کی مناسبت سے مختلف پروگرام بھی کیے جاتے ہیں تاکہ لوگ اپنی زمین اور ماحول کو بہتر اور صاف رکھیں۔

اب آپ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کریں اور اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔ آپ کے خطوط کا ہمیں انتظار رہے گا۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

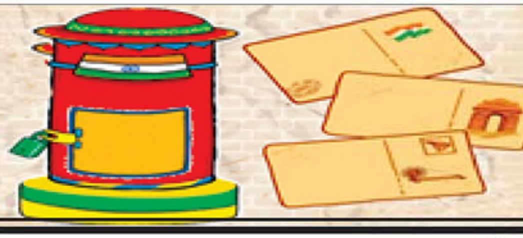

’بچوں کی دنیا‘ میرا بڑا ہی پسندیدہ رسالہ ہے۔ میں اس کو باقاعدہ ہر مہینے برسوں سے پڑھتی آرہی ہوں۔

عائشہ صدیقہ محمد قاسم، بڑی لائن، اورنگ آباد، مہاراشٹر

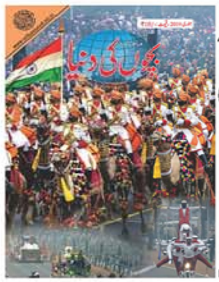

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کے مشمولات آپ کے ’حسن انتخاب‘ کے عکاس ہیں۔ مضامین، کہانیاں اور نظمیں دلچسپ اور معلومات کی حامل ہیں۔ خاص طور پر جناب قاسم خورشید کی باتصویر کہانی ’زمین‘ اور شیریں نیازی صاحبہ کی کہانی ’ایک انار دو پیسے‘ نے کافی متاثر کیا۔ اگر بچوں کے پسندیدہ اشعار بھی کسی کالم کے تحت شائع کریں تو بہتر ہوگا۔ بہرحال ہندوستانی بچوں کو ایک خوبصورت رسالہ ہر ماہ دینے کے لیے شکریہ اور مبارکباد!

اسد رضا، F-97، سیکٹر 7، جسولہ وہار، نئی دہلی 25

’بچوں کی دنیا‘ کا ماہِ نومبر کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ دیدہ زیب سرورق اور معلوماتی دلچسپ مشمولات کے علاوہ نثری و شعری تخلیقات بہت پسند آئیں۔ تتلی کی دنیا اور ہاکی کے جادوگر میجر دھیان چند بہت خوب ہیں۔ ’خدا نیت دیکھتا ہے‘ لکھ کر پرویز شہریار صاحب نے بچپن کی یادیں تازہ کردیں۔ بچوں کے اس محبوب رسالے کے لیے بے شمار دعائیں۔

سید اسد تابش، بارسی ٹاکلی، اکولہ، مہاراشٹر

ماہ جنوری 2018 کا یوم جمہوریہ پر خاص تحریروں کے ساتھ خوبصورت سرورق دیگر جاذب نظر تصاویر اور معلوماتی وسبق آموز مضامین و کہانیوں والا شمارہ بذریعہ ڈاک موصول ہوا، ایک ہی فرصت میں سارا رسالہ پڑھ لیا، اس شمارے میں جناب ڈاکٹر شیخ عقیل احمد صاحب کی نصیحت آمیز، آپس کی باتیں، یوم جمہوریہ پر معلوماتی مضامین اور نظمیں اور مشہور مفکر اور مصنف لیو ٹالسٹائی کی زندگی پر معلومات بہت اچھی لگی، دیگر مضامین جیسے انڈین میوزیم کلکتہ، یوم جمہوریہ کی پریڈ، جان ہے تو جہان ہے، ممتا، شہر میں ایک جنگل، ریڈکراس ایک بین الاقوامی انجمن، پارکر سورج کا نیا پڑوسی، اچھی سوچ، اقوال زریں اور ہنسی کے فوارے جیسے معلومات سے بھرپور مضامین اور کالم واقعی مطالعے کے شوقین افراد کے لیے نعمت سے کم نہیں۔ یہ جریدہ ہمارے گھروں کے چھوٹے بڑے سبھوں کے لیے باعث فرحت ہے۔

رفیق ابراہم پرکار، کرجی، آمشیت محلّہ، تعلقہ کھیڈ، ضلع رتناگیری، مہاراشٹر

ماہ دسمبر 2018 کا شمارہ موصول ہوا۔ سچ پوچھیے تو ’آپس کی باتیں‘ سے لے کر آخری صفحے تک ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ ایک سے بڑھ کر ایک مضامین، نظمیں، کہانیاں پڑھنے کو ملیں۔ تمام قلمکاروں کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

پیرزادہ محراج الدین، سلر، کشمیر

امتیاز احمد انصاری

عالمی یومِ صحت اور ہماری ذمہ داریاں

صحت دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تندرستی کو ہزار نعمت بھی کہا جاتا ہے۔ غور کیا جائے تو تندرستی دراصل دو لفظوں کا مرکب ہے۔ تن یعنی جسم اور درستی یعنی جسمانی یا ذہنی حالت جو معمول کے مطابق ہو۔ لمبی عمر کا راز بھی صحت مند زندگی میں چھپا ہے۔ اللہ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں خاص کر انواع و اقسام کی غذا سے انسان اسی وقت فیضیاب ہوسکتا ہے جب وہ صحت مند ہو۔ اگر کوئی شخص اس دنیا میں لاکھوں کروڑوں روپے کما لے مگر اپنی صحت برباد کر لے تو اسے کامیاب انسان نہیں کہا جا سکتا۔ بابائے قوم مہاتما گاندھی کا کہنا ہے کہ ''سونا چاندی کے ٹکڑے نہیں بلکہ صحت ہی اصلی دولت ہے'' یہ بھی سچ ہے کہ کوئی بھی اس دنیا میں بیمار ہونا نہیں چاہتا کیونکہ بیماری نہ صرف انسان کی زندگی کو پریشان کن بنا دیتی ہے بلکہ جیب بھی خالی کر دیتی ہے۔ صحت کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب انسان بیمار ہوتا ہے۔

عام لوگوں کی بھرپور توجہ صحت جیسی قیمتی دولت کی طرف متوجہ کرانے اور اس سلسلے میں بیداری لانے کے لیے 7 اپریل کو پوری دنیا میں عالمی یوم صحت کے طور پر منایا جاتا ہے۔ غور طلب ہے کہ عالمی طور پر تمام انسانوں کی صحت کی حفاظت کی فکر کرنے والی تنظیم ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کی بنیاد 7 اپریل 1948 کو ڈالی گئی تھی۔ لہٰذا اسی تاریخ کی مناسبت سے یوم عالمی صحت منایا جاتا ہے جس کی ابتدا 1950 سے ہوئی۔ ہر سال کسی خاص موضوع کے تحت صحت عامہ کی کوشش میں مصروف یہ ادارہ سرکاری طور پر 8 ایام ہی مناتا ہے۔ اس ادارہ کے ذریعہ منائے جانے والے ایام میں عالمی یوم تپ دق (24 مارچ)، عالمی یوم صحت (7 اپریل)، عالمی یوم ملیریا (25 اپریل)، عالمی ٹیکہ کاری ہفتہ (اپریل کا آخری ہفتہ)، تمباکو سے آزاد عالمی دن (31 مئی)، عالمی یوم خون عطیہ (14 جون) اور عالمی یوم ہیپاٹائٹس (28 جولائی) شامل ہیں۔

اچھی صحت کے لیے ضروری ہے کہ انسان وقت پر کھانا کھائے، بھرپور نیند کا مزہ لے، صاف صفائی پر خصوصی توجہ دے، نشہ آور چیزوں سے پرہیز کرے اور اسی طرح کے حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرے۔ آج کی اس ترقی یافتہ اور بھاگ دوڑ والی زندگی میں زیادہ تر لوگ رات کی نیند پر

ٹھیک طرح سے توجہ نہیں دے رہے ہیں۔کام کے بوجھ کی وجہ سے کھانے پینے میں کافی بے اعتدالیاں پائی جارہی ہیں۔ جدید سہولیات نے انسان کو آرام پسند بھی بنا دیا ہے۔ جسمانی مشقت سے بڑھتی ہوئی دوری نے ہمارے جسم کو بیماریوں کا گھر بنا دیا ہے۔

پرہیز علاج سے بہتر ہے۔سروے سے پتہ چلا ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں 95 فیصد بیماریوں کی وجہ ہمارے کھانے پینے کی پسند اور بے احتیاطی ہے۔ ماہرین صحت نے اچھی صحت کے لیے درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہی نہیں لازمی قرار دیا ہے۔

خوراک یا غذا: صبح ناشتے میں پھل، دودھ اور ابلا ہوا انڈا وٹامن سے بھرپور غذا ہے جس کا استعمال جسم کو ضروری توانائی پہنچاتا ہے۔ مشروب کے طور پر کافی کے بجائے ہلکی چائے کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔گرمی کے موسم میں گھر میں تیار کیا ہوا تازہ پھلوں کا رس صحت کے لیے بہتر ہے۔ ہندستانیوں کے کھانے میں چاول کو خاص مقام حاصل ہے۔جسم کے وزن اور خون میں شکر کی مقدار کو متوازن رکھنے کے لیے تھوڑی مقدار میں روٹی کا استعمال مناسب ہے۔ وناسپتی، تیل کے سامان، مرغن غذائیں اور کیک وپیسٹری کا استعمال 40 سال کی عمر کے بعد کم سے کم کر دینا چاہیے۔نشہ آور چیزوں کا استعمال کسی بھی عمر میں مناسب نہیں۔ ہمارے کھانے پینے کا خاص جز پانی ہے جو غذائی مادوں کو ہضم کرنے کے ساتھ ساتھ جسم کے گندے اور زہریلے مادوں کو لگاتار باہر نکالتا رہتا ہے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ پانی کا استعمال ڈاکٹروں کے نزدیک بہتر ہے مگر یاد رہے کہ کھانا کھانے کے کچھ دیر کے بعد ہی پانی پینا چاہیے۔

صاف صفائی : صحت اور صفائی زندگی کا ایسا لازمی اصول ہے جس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مذہب اسلام نے انسانی جسم کی صفائی سے لے کر پوری سوسائٹی اور قوم کی صفائی کا تصور پیش کیا ہے۔ پیارے رسولؐ نے صفائی کو ایمان کا جز قرار دیا ہے۔ ایک انسان جتنا صاف ستھرا اور نفاست پسند ہوگا لوگ اتنا ہی اس کے قریب آئیں گے اور بیماریاں

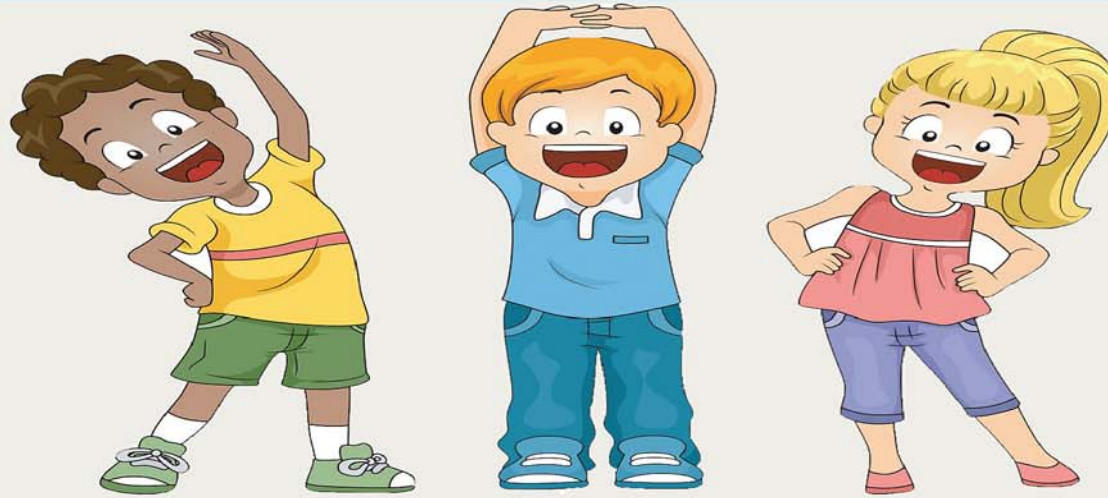

اس سے دور بھاگیں گی۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے سروے کے مطابق پوری دنیا میں ہر سال 12.6 ملین لوگ گندگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریوں سے مرجاتے ہیں خود ہمارے ملک میں گندگی اور آلودگی کے نتیجے میں ہر سال 20 لاکھ لوگ موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مرنے والے ہر 10 میں سے 7 افراد کی موت کھانے پینے میں بے اعتدالی اور زندگی گزارنے کے طور طریقے میں ہونے والی تبدیلی سے ہوتی ہے۔

آرام اور تفریح: جسمانی اور ذہنی تناؤ کو دور کرنے کے لیے آرام کے ساتھ سیر و تفریح بھی ضروری ہے۔ جسم اور ذہن کو آرام، نیند، دوا یا دوسری تفریحات کے ذریعہ پُرسکون رکھا جاسکتا ہے مگر زیادہ آرام اور زیادہ کام دونوں صحت کے لیے مضر ہیں۔ اس لیے کام کے اوقات کے بعد آرام کرنا اور سماجی و ثقافتی کاموں کے لیے وقت نکالنا صحت کے نقطہ نگاہ سے مفید ہے۔ تحقیق کے بعد یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ہنسنا بھی صحت کے لیے فائدہ مند ہے اور ہمارے جسم کے بہت سارے نظام پر ہنسنا اثر ڈالتا ہے۔

کثرت اور جسمانی وضع: جسم کو چست و تندرست اور وزن کو قابو میں رکھنے کے لیے ہلکی پھلکی ورزش بھی ضروری ہے۔ صبح چہل قدمی کرنا، پیدل چلنا، سائیکل چلانا، تیراکی کرنا اور کھلے میدان میں کھیل کود کرنا جسم کے لیے بہت بہتر ہے۔ ورزش اور سخت محنت کے بغیر انسان موٹاپے کا شکار ہو جاتا ہے جو بہت ساری بیماریوں کو دعوت دیتا ہے۔ انسان کو روزمرہ کی زندگی اور کام کے دوران جسمانی وضع یعنی حالت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ گھر ہو یا دفتر ایسی کرسیوں پر بیٹھنا چاہیے جو سخت، غیر گدے دار ہوں اور ان کا پچھلا حصہ سیدھا ہو۔ ٹیبل پر بیٹھ کر کام کرنے والوں کے لیے ترچھی ٹیبل کا استعمال مناسب ہے کیونکہ زیادہ دیر تک سر جھکا کر کام کرنے سے کم عمری ہی میں اسپونڈی لائٹس یعنی ریڑھ کی ہڈی کی سوزش کی بیماری ہو جاتی ہے۔

■

Imteyaz Ahmed Ansari
House No: 24, Rail Par
Jahangiri Mohalla
Asansol - 713302 (West Bengal)

شمع اختر کاظمی

یہی ہے اچھا انعام

گھر میں داخل ہوتے ہی زید اپنی عادت کے مطابق صوفے پر بستہ اچھالتے ہوئے امی سے مخاطب ہوا۔ ”امی۔! آپ کو معلوم ہے 22 اپریل کو سر ہم سب کو شجرکاری (پیڑ لگانے) کے لیے باہر لے جائیں گے...! سر نے بتایا کہ دنیا کی حفاظت کے لیے ہمیں شجرکاری کرنی چاہیے۔“ امی مسکرا رہی تھیں۔ زید کو خبر نہیں تھی کہ نانا جان چپکے سے اس کے پیچھے آکر کھڑے ہوگئے۔ تبھی نانا جان نے اس کے کاندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھا۔ حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وہ نانا جان سے لپٹ گیا۔ ”آپ کب آئے نانا جان۔؟“ ”تم اُدھر اسکول گئے اور میں یہاں پہنچ گیا۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا ’شجرکاری‘ کار ثواب بھی ہے اور گلوبل وارمنگ کو زیر کرنے کا کامیاب طریقہ بھی۔ دنیا کو بہت بڑا مسئلہ ’گلوبل وارمنگ‘ درپیش ہے۔ اگر اسے روکا نہ گیا تو یہ دنیا کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتی ہے اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ درخت لگائے جائیں اور اس کی حفاظت کی جائے گویا یہ سمجھو کہ انسانی زندگی کی ڈور قدرت نے درختوں کے قبضے میں کر رکھی ہے۔

اچھا بیٹا! ابھی تم اسکول سے آئے ہو فریش ہو جاؤ تو شجرکاری اور تمہاری شرارتوں سے متعلق ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرو۔ شام کو ہم گارڈن چلیں گے۔!

شام کو زید نانا جان کی انگلی تھامے گارڈن پہنچا۔ سیمنٹ کی ایک بیٹھک پر دونوں بیٹھ گئے۔ نانا جان نے زید سے پوچھا۔ ”اچھا بتاؤ تم نے اس جگہ کا انتخاب کیوں کیا۔؟ زید چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا۔ ”یہ جگہ اچھی ہے، یہاں ٹھنڈک بھی ہے اور سایہ بھی۔!“ ”شاباش بیٹے نانا جان بولے۔

"یہ سکون، ٹھنڈک اور سایہ کس وجہ سے ہے۔؟ نانا جان یہ ہرے بھرے پیڑ پودوں کی وجہ سے ہے۔! نانا جان زید کے جواب سے خوش ہوئے۔

گارڈن میں ہر طرف پیلی، بھوری، زرد اور سرخ پتیاں اُڑ رہی تھیں ان میں سے کچھ قدموں تلے آ کر چرمراہٹ کی سی آواز پیدا کر رہی تھیں۔ زید پتیوں پر اُچھل اُچھل کر ان کے چرمرانے کی آوازیں سن کر خوش ہو رہا تھا۔ نانا جان یہ اتنی ساری پتیاں پیڑوں سے کیوں گر گئیں...؟

بیٹا! یہ پت جھڑ کا موسم ہے۔ درختوں کے پتے ہر سال پیلے ہو کر آہستہ آہستہ گر جاتے ہیں۔ یہ پیڑوں کے آرام کا وقت ہوتا ہے۔ اس موسم میں پیڑ سست ہو جاتے ہیں۔ ان کے کام کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور پتے گرنے لگتے ہیں۔ پتوں کے گرنے کے عمل میں پیڑ میں موجود غیر ضروری اجزا بھی خارج ہو جاتے ہیں۔ لیکن موسم بہار کے آتے ہی ان میں تازگی اور توانائی لوٹ آتی ہے پیڑوں میں نئی پتیاں آنے لگتی ہیں۔ لیکن کچھ پیڑ پودے ایسے بھی ہیں جن پر پت جھڑ کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔ ان کی چند ایک پتیاں ہی گرتی ہیں۔ ایسے پیڑوں کو سدا بہار درخت کہا جاتا ہے۔ ان میں زیتون، چیڑ دیودار اور چائے کے پودوں کا شمار ہوتا ہے۔

بیٹا! ماحولیات کا توازن جنگلاتی املاک پر منحصر ہوتا ہے۔ جنگلات جب تک محفوظ ہیں ہم بھی محفوظ ہیں۔ لیکن لوگوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ جس کے بھیانک اثرات 21/ویں صدی کے شروع سے ہی دکھائی دے رہے ہیں۔

نانا جان کیسے خطرے دکھائی دے رہے ہیں۔؟

بیٹا ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر دس میں 9/افراد آلودہ فضا میں سانس لے رہے ہیں جو بہت ساری بیماریوں کا پیش خیمہ ہے۔ ماحولیاتی توازن بگڑنے سے عالمی درجہ حرارت میں اضافے کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ موسم کے مزاج میں حیرت انگیز تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ جنگلات کی بربادی کی وجہ سے بے شمار جنگلی جانوروں کی جان پر بن آئی ہے۔ کئی اقسام کے جانور نایاب ہو گئے اور کچھ خاتمے کے قریب ہیں۔ شیر، چیتے اور دیگر جنگلی جانور ہر آئے دن شہری علاقوں میں گھس آتے ہیں اور راستے میں جو مل جائے اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔

نانا جان میں نے اخبار میں پڑھا تھا اور تصویر بھی دیکھی تھی۔!

تم نے سوچا ایسا کیوں ہو رہا ہے۔؟ زید نے لاعلمی سے گردن ہلائی۔

اس لیے کہ جنگلوں کی بے تحاشہ کٹائی اور جانوروں کے رہائشی علاقوں پر انسان کی مداخلت۔ اس کی اہم وجہ ہے ایسے خونخوار جانوروں کے انسانی بستیوں میں آنے کے سوائے ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں رہتا۔! نانا جان ایسی خبریں میں نے ہمیشہ پڑھی ہیں لیکن آج سمجھ میں آیا کہ وہ کیوں انسانوں پر حملہ کرتے ہیں۔!

دنیا کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر سے بہتر بنانے اور فوائد حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ درخت لگانا اور ان کی حفاظت کرنا ہر انسان کی ذمہ داری ہے۔ درخت سے ہم بہت سارے کام لیتے ہیں۔ درخت کی لکڑیوں کا استعمال تم ہر جگہ دیکھتے ہی ہو۔ درخت سے ہم گوند، شہد اور مسواک حاصل کرتے ہیں۔ تم جیسے کھلاڑی بچوں کے لیے بیٹ، غلیل اور گلی ڈنڈا بھی تو درخت کی لکڑی سے تیار کیا جاتا ہے۔

پیڑ کی پتیاں مویشیوں کو کھلا کر دودھ جیسی نعمت حاصل کی

جاتی ہے۔ بندر، لنگور، گلہری، چمگادڑ اور چڑیاں پیڑوں پر بسیرا کرتی ہیں۔ سبزی خور پرندے اپنی غذا پیڑوں سے حاصل کرتے ہیں۔ تنے کا کام پیڑ کو سہارا دینا ہوتا ہے۔ قدرت نے ان کو مضبوط، ٹھوس اور مدد دینے والا بنایا ہے۔ تنے کے مقابلے پیڑ کی مضبوطی، سختی، اونچائی اور چوڑائی اہم ہوتی ہے۔

واہ، نانا جان آپ نے تو ہماری معلومات میں اضافہ کردیا...!

بیٹا میں بوٹنی کا پروفیسر تھا۔ پیڑ پودوں میں میری خاصی دلچسپی آج بھی ہے۔ کیا تمھیں معلوم ہے۔؟ پیڑ پودے آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ دوست بناتے ہیں۔ اپنے جذبات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ایسی اور بہت ساری حیرت انگیز باتیں ایک جرمن سائنسداں 'پیٹر وولسن' نے اپنی تحقیقات پر مبنی کتاب میں لکھی ہیں۔

اور کیا لکھا ہے نانا جان انھوں نے۔؟ زید نے تجسس بھرے لہجے میں سوال کیا۔

وہ کہتے ہیں میں نے ہر روز سیکڑوں درختوں کا معائنہ کیا اور پایا کہ جن درختوں کو نظرانداز کیا گیا تھا کچھ عرصہ بعد ان کی جڑیں، شاخیں ٹیڑھی میڑھی اور بدنما ہوگئیں۔ پیٹر وولسن نے اپنی تحقیقات کے دوران یہ بھی دیکھا کہ ایک ہی نسل کے کچھ درخت زمین پر سیکڑوں سال قبل گرے تھے لیکن اپنی نسل کے آج کے درخت ان سے جڑے ہوئے تھے۔ اس عمل نے یہ ثابت کیا کہ درخت اپنی طرح کے دیگر درختوں کو پہچان کران سے دوستی کرتے ہیں اور ان کو زندہ رہنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایک اور سائنسداں نے اپنی تحقیقات میں یہ بتایا کہ درخت اپنے ہی جیسے درختوں کو پہچان کران کی جڑوں سے جڑ کر ایک نیٹ ورک بنا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض درخت تو ایک دوسرے کو تھامے ایک ساتھ مرجاتے ہیں۔ شاہ بلوط اور صنوبر کے درخت آپس میں کیمیکل اور برقی سگنل کے ذریعے ایک دوسرے کو خبردار بھی کرتے ہیں۔ یہ معلومات مٹی میں موجود فنگس کے ذریعہ ایک درخت کی جڑ سے دوسرے درخت کی جڑ

تک جاتی ہے جسے ''ووڈ وائڈ ویب'' کہا جاتا ہے۔ اس میں فنگس کا کردار فائبر آپٹک کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں معلومات ہر تین سیکنڈ بعد تین انچ کا فاصلہ طے کرتی ہے...!

نانا جان نے گارڈن میں ٹہلتے ہوئے زید کو آنکھوں دیکھا واقعہ سنایا۔ چند سال قبل ایک ایجوکیشنل ٹور پر ہم اور ہمارے ساتھی بنگلور کے ایک گارڈن میں گئے۔ دیکھا کہ گارڈن کا مالی اور اس کی بیوی ہر پیڑ کے پاس تھوڑی دیر کھڑے ہوکر مسکرا مسکرا کر خوش دلی کے ساتھ پیڑوں سے باتیں کررہے تھے۔ جیسے دو دوست آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ ہم نے دریافت کیا۔ ''کیا وہ آپ کی باتیں سمجھتے ہیں۔؟ مالی نے کہا۔ وہ سمجھتے بھی ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ جب سے ہم نے ان سے باتیں کرنا شروع کیں ان میں خاصی تبدیلی آگئی ہے۔ وہ زیادہ تناور اور ہرے بھرے ہوگئے ہیں۔ پھل پھول پہلے کی بہ نسبت زیادہ آنے لگے ہیں۔

ہم حیرت زدہ تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے پیڑ باتیں کریں۔ مالی نے کہا۔ ''یہ دل کی زبان ہے صاحب، ہم بولتے ہیں وہ سمجھتے ہیں، ہم انھیں پیار کرتے ہیں وہ اس کا اظہار کرتے ہیں۔''

پیڑ پودوں کے متعلق اتنی جانکاری حاصل کرنے کے باوجود زید کے پاس ابھی اور سوال تھے۔ نانا جان کیا پیڑ پودوں کو پیاس نہیں لگتی۔؟

بالکل۔ انھیں بھی پانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تمھیں بتاؤں کہ جب تیز بارش ہوتی ہے تب کئی مختلف نسل کے پیڑ ایسے ہیں جو سیکڑوں گیلن پانی جلدی جلدی اپنے اندر جذب کرلیتے ہیں تا کہ خشک موسم میں یہ پانی ان کے کام آسکے۔ یہ پانی جڑوں میں جا کر جمع ہوجاتا ہے۔ اس طرح درخت اگلے مشکل حالات کی تیاری بھی کرتے ہیں۔ جیسے چیونٹیاں برسات کی آمد سے قبل اپنے ٹیلے میں اناج کا ذخیرہ کرلیتی ہیں تا کہ برسات کے دنوں میں انہیں غذا ڈھونڈنے کی زحمت اٹھانی نہ پڑے۔

نانا جان کیا پیڑ پودے بھی سانس لیتے ہیں۔؟

بالکل وہ بھی ہماری طرح سانس لیتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پیڑ پودے کاربن ڈائی آکسائیڈ لیتے ہیں اور ہم انسان آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ چھوڑتے ہیں اس لیے کہا جاتا ہے پیڑ پودوں کے بغیر انسانی زندگی کا تصور محال ہے۔ پیڑ پودوں کی کمی فضائی آلودگی کا سبب بن گئی ہے اور لوگ سانس سے ہونے والی بیماریوں کا شکار ہورہے ہیں۔ صرف ایک مربع میل پر پھیلے درخت موسم سرما کے ایک دن میں 29 ٹن آکسیجن خارج کرتے ہیں جب کہ ایک صحت مند آدمی کو دن میں صرف دو پونڈ آکسیجن درکار ہوتی ہے۔ ہر ریاست میں پائے جانے والے جنگل اور اس کے وسائل سچ پوچھئے تو وہ جائیداد ہیں جو بینک ڈپازٹ کے طور پر ہوتے ہیں۔ ریاستوں کی ترقی کے لیے اس ڈپازٹ پر سود کی طرح قدرتی وسائل اور ماحولیاتی خدمات مسلسل دستیابی کا کام یہ گھنے خوشحال جنگل اور جنگلی جانور کرتے ہیں۔

پیڑوں سے متعلق ایک اور دلچسپ حقیقت بھی سن لو۔ جرمنی کے ایک جنگل میں پانچ سو سال قدیم شاہ بلوط کا ایک درخت موجود ہے۔ اس درخت کے تنے پر تین میٹر بلندی پر ایک چھوٹا سا سوراخ ہے جہاں دنیا بھر سے لوگ خط بھیجتے ہیں دنیا کا یہ واحد درخت ہے جسے 1927 میں ڈاک کا پتہ دیا گیا تھا۔ اس درخت پر ہر سال ایک ہزار سے زائد خط بھیجے جاتے ہیں۔ شاہ بلوط کے اس درخت کا استعمال دلوں کو جوڑنے کے

لیے کیا گیا ہے۔ بہت ساری کہانیاں اور واقعات اس درخت سے وابستہ ہیں۔ گزشتہ 91 سال سے یہ درخت خط وصول کر رہا ہے۔ اس تاریخی درخت نے بہت سے لوگوں کو ملایا ہے۔ کئی شادیاں کروائی ہیں۔ درخت پر لگی سیڑھی سے چڑھ کر کوئی بھی بھیجے گئے خطوط کو پڑھ سکتا ہے اس کا جواب دے سکتا ہے۔

22/اپریل کی صبح زید اسکول روانہ ہوا تو یہ کہتے ہوئے امی، آج کپڑے خوب میلے ہوں گے میں شجرکاری کرنے جا رہا ہوں۔ اسکول سے واپسی پر اس کے ہاتھ میں آم کا ایک چھوٹا سا پودا تھا۔ نانا جان نے پوچھا اس پودے کو گھر کیوں لے آئے...؟ کیا تم نے پودے نہیں لگائے۔؟ نانا جان اسکول میں بڑا مزہ آیا۔ سر نے کہا جس بچے کو بھی شجرکاری سے متعلق جو بھی جانکاری ہو وہ اسمبلی ہال میں اپنی معلومات بچوں کے ساتھ شیئر کرے۔ پھر کیا ہوا نانا جان بولے...؟

پھر یہ ہوا کہ نانا جان ہم نے وہ ساری معلومات جو آپ نے دی تھیں پیڑ پودوں کے متعلق بتایا تھا اور جو ہمیں یاد تھیں ہم نے سب سنا دیا۔ خوب خوب تالیاں بجیں۔ ٹیچروں نے شاباشی دی اور جب شجرکاری شروع ہوئی تو پہلا پودا میرے ہاتھ سے لگوایا گیا۔ اور یہ پودا۔؟ زید کی امی بولیں۔

امی یہ پودا تو مجھے انعام میں دیا گیا ہے اور سر نے کہا اپنے گھر کے آنگن میں اسے آج کے دن یادگار کے طور پر لگا دینا۔ ہے نا یہ اچھا انعام...!

■

Shama Akhtar Kazmi
12/14,Sai Nagar
Bhiwandi-421302, (Maharashtra)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: SYNB0009009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

مدثر رضا

مضمون

اور یہ دن بھی خاموشی سے گزر گیا

اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں واضح اور کھلے لفظوں میں محتاج اور معذور افراد کے بارے میں احکام صادر فرمائے ہیں اور اپنے برگزیدہ بندے حضرت محمد مصطفیؐ کی حیات طیبہ میں ہی تمام امور کا عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔ مذہب اسلام میں اس بات کی سخت وعید آئی ہے کہ کسی بھی انسان کو حسب و نسب پر گھمنڈ، اونچ نیچ، اور رنگ و نسل کی تفریق نہیں کرنی چاہیے مگر اس کے برعکس ہمارے معاشرے کا رویہ یہ ہے کہ ایک معذور شخص کو ہر فیلڈ میں نظر انداز کیا جا رہا ہے جبکہ مذہب اسلام میں کسی بھی شخص کی جسمانی کمزوری، محتاجی اور نقص کی وجہ سے اس کی عزت سے کھلواڑ کو سخت منع فرمایا ہے۔ تاریخ میں کئی واقعات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے آقاؐ نے عام لوگوں کی بہ نسبت محتاج اور معذور افراد کو زیادہ عزت بخشی ہے۔

اگر ہم تحقیق کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آج بھی سماج نے معذور افراد کو نہ تو سماج کا حصہ بنایا ہے اور نہ ان کے تمام حقوق کے حصول کے لیے کوئی اقدامات کیے ہیں بلکہ یہ سماج کے لوگ معذور افراد کو بار بار یہ احساس دلاتے ہیں کہ آپ سماج سے ہٹ کر ہو جبکہ کوئی بھی ایسا شخص جو جسمانی طور سے معذور ہے وہ شخص بھی سماج کا اہم حصہ ہوتا ہے۔ ہر کسی کی طرح وہ بھی اپنی زندگی بسر کرنے کا حق رکھتا ہے تا کہ کوئی بھی معذور فرد احساس کمتری کا شکار نہ ہو اور ان سب کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو انفرادی اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) اور انسانی حقوق (Human Right) کے قوانین کے مطابق معذوروں کو تمام تر سہولیات اور ان کے تمام حقوق کی گارنٹی بھی دی جاتی ہے اور انہی قوانین کے مطابق حکومتِ ہند معذوروں کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف اسکیمیں چلاتی ہے مگر اس کے برعکس ہر معذور فرد کو اپنے حصول کے لیے احتجاج اور حکومت سے لڑنا پڑتا ہے، پھر بھی وہ معذور افراد اسکیم کے حقدار نہیں قرار دیے جاتے۔

ایک عالمی رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں مغدوروں

کی تعداد تیس کروڑ ہے۔ کسی بھی شخص کا معذور ہونا نہ ہی جرم ہے اور نہ ہی اس معذوری میں اس کا کوئی قصور ہے جو لوگ معذوروں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، ان کا حق مارتے ہیں، معذوروں کے کوٹے کے مطابق ملازمت نہیں دیتے ان کی جگہ کسی دوسرے یا اپنے رشتے داروں کو کام پر رکھتے ہیں، انھیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ قدرت کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ خدانہ کرے مستقبل میں آپ کی نسلوں میں کوئی معذور ہو۔ ہمیں اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ان معذور افراد کی فلاح و بہبود کے لیے جب تک ہم کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کریں گے تب تک ان کے حالات بہتر نہیں ہو سکتے۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کی رپورٹس کے مطابق ترقی پذیر ممالک کی کل آبادی کا تقریباً دس فیصد معذور افراد پر مشتمل ہے۔ ہمارے دیس میں اول تو معذوروں کو سماج کا حصہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اکثر لوگ معذور شخص کو دیکھ کر بجائے اس کی مدد کرنے کے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معذور احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے دیس کا ایک بہت بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ یہاں پر جعلی این جی اوز بہت پائی جاتی ہیں جو صرف پروشیڈنگ اور برائے نام دفاتر قائم کر کے معذور افراد کے نام پر اچھی خاصی رقم سرکار سے جمع کر کے اپنی دوکان چلاتی ہیں۔

3 دسمبر کو عالمی سطح پر یوم معذور منایا جاتا ہے اور اس دن کو منانے کا اہم مقصد معذوروں کی فلاح و بہبود، ان کی دیکھ بھال، ان کی ضروریات، ان کے مسائل، ان کی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والی دشواریاں، ان کی کارگردگی جیسے اہم نکات کو لے کر حکومت وقت کی توجہ اس جانب مبذول کروانا اور عملی اقدامات کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا ہوتا ہے مگر افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ شہر میں نہ تو اس دن کو کوئی اولیت دی جاتی ہے اور نہ ہی معذوروں کی فلاح کے لیے کوئی عملی اقدامات کیے جاتے ہیں۔ کاش کہ ہماری فلاحی تنظیمیں اس جانب کوئی پیش رفت کرتیں...

■

Mudassir Raza
Gate No: 172, Plot No: 113, Near Masjid
Umar Farooque Aazam, Ramzan Pura
Malegaon, District Nasik - 423203 (MS)

شفیق محسن

آسماں

کھول اپنی آنکھ پیارے دیکھ تو
ہر طرف بکھرے نظارے دیکھ تو

چاند سورج اور ستارے دیکھ تو
کس کے مظہر ہیں یہ سارے دیکھ تو

ہر طرف بکھری پڑی ہیں کہکشاں
نور کے پیکر ہیں سارے دیکھ تو

جھلملاتے جگمگاتے یہ نجوم
کررہے ہیں کیا اشارے دیکھ تو

آگیا لو مسکراتا چاند بھی
اے زمیں کے ماہ پارے دیکھ تو

چار سو یہ ضوفشانی اور سکوت
دم بہ دم کوئی پکارے دیکھ تو

آسماں میں تیرتے ہیں یوں نجوم
جھیل میں جیسے شکارے دیکھ تو

صبح صادق دیکھ محسن ہو چلی
ڈوبتے جاتے ہیں سارے دیکھ تو

■

Shafique Mohsin
Motipura, Shaniwar Ward
Ghar No.: 409, Doman Lane
Malegaon - 423203 (Maharashtra)

محمد رفیع انصاری

سروجنی نائیڈو

اپنے ملک کی تھیں وہ 'لاڈو'
نام تھا 'سروجنی نائیڈو'

دیس کی ایک مثالی عورت
جیسے بھارت دیس کی مورت

دلکش تھیں ان کی تحریریں
عمدہ عمدہ تھیں تقریریں

اُن کا نغمہ، نغمہ پیارا
دور ہوا جس سے اندھیارا

گاندھی، نہرو اور آزاد
سب دیتے تھے اُن کو داد

بچّے، بالے، دم بھرتے تھے
'ہند کی بُلبُل' بھی کہتے تھے

وہ کہتی تھیں سب ہیں بھائی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی

بچّو! شوق سے لکھنا پڑھنا
یاد انھیں بھی کرتے رہنا

■

Mohd Rafi Ansari
'Al Madni Complex',734 Bhusar Mohalla
Bhiwandi - 421308, Thane (Maharashtra)

صابر سنبھلی

ببلو سے

سوتے ہیں ہم سب بَبلُوْ!
تو بھی سو جا اب بَبلُوْ!
دن تو کام کی خاطر ہے
سونے کو ہے شب بَبلُوْ!
جب تجھ کو غصہ آئے
سی لے اپنے لب بَبلُوْ!
کتے رونے لگتے ہیں
گاتا ہے تو جب بَبلُوْ!
ہکلا کر گڈو تیرا
کہتا ہے بَبُ بَبُ ببلوُ
بچے سب اسکول گئے
تو جائے گا کب بَبلُوْ!
یاد سبق جب کرلے گا
چھٹی ہوگی تب بَبلُوْ!
خوش رکھ سب کو تجھ کو بھی
خوش رکھے گا رب بَبلُوْ!

■

Dr. Sabir Sambhali
Saif Khan Sarai, Sambhal,
Distt: Sambhal - 244302 (UP)

محمد زاهد

جھرنا

میں ہوں بچو بہتا جھرنا
میری فطرت چلتے رہنا
پربت سے ہوکر آتا ہوں
پتھر سے بھی ٹکراتا ہوں
مجھ میں پھُرتی مجھ میں چستی
میری ہے البیلی ہستی
رستے میں منظر رنگیلے
جنگل، بستی، میلے، ٹھیلے
باغوں میں ہریالی مجھ سے
کھیتی ہے متوالی مجھ سے
مجھ سے بجلی بھی ہے بنتی
جس سے جگمگ ساری بستی
نالہ، ندّی، دریا بن کر
چھا جاتا ہوں سب کے دل پر
میری اپنی اک منزل ہے
جس کی چاہت میں یہ دل ہے
ساگر سے جب مل جاتا ہوں
باہوں میں تب سوجاتا ہوں

■

Dr. Mohd Zahid
B-5, P.D Jaah Lane
Garden Reach
Kolkata - 700024 (West Bengal)

بانو سرتاج

کوڑی

کوڑی، سب کی جانی پہچانی ہے۔

کوڑیاں تفریح کا ذریعہ ہیں۔ دوائیوں میں اُن کا استعمال ہوتا ہے، پوجا میں رکھی جاتی ہیں، سجاوٹ کی چیزوں میں استعمال ہوتی ہیں تو پوشاک میں لگائی اور سنگار میں کام میں لائی جاتی ہیں۔

ایک وقت تھا جب کوڑیاں شرح مبادلہ میں استعمال ہوتی تھیں بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سکوں کی تاریخ میں کوڑی کو اوّل سکہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ہمارے ملک بھارت نے سب سے پہلے بطور سکہ کوڑی کا استعمال شروع کیا تھا۔

کوڑی، ہندی زبان کا لفظ ہے۔ غیرملکیوں نے کوڑی، ہی سے ان کے ملکوں میں کوڑی کو نام دیا۔ سترہویں صدی کے درمیانی عرصے میں انگریزوں نے اسے کاوری (Cowary) نام دیا۔ فرانسیسی زبان میں اسے کورس (Coris) نام ملا۔ جرمن زبان میں کاوُرِس (Cowaris) اور روسی زبان میں بھی کوڑی کاوُرِس (Cowaris) نام سے پہچانی جاتی ہے۔

ہندوستانی پنڈت بھاسکر آچاریہ نے اپنی کتاب 'لیلاوتی' میں کوڑی سکوں کا ذکر کیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں کوڑیاں پنڈتوں کو دکشنا میں دی جاتی تھیں۔

کوڑیاں، چوہے کی شکل کی، شیر کے سر جیسی، آنکھوں والی، دھن کوڑی وغیرہ قسموں کی ہوتی ہیں۔ ان کی لمبائی 3 سے 12 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ دھن کوڑی افراط سے حاصل ہونے والی کوڑی ہے۔ اِس کی لمبائی 3 سے 4 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ آگے کا حصہ کون (Cone) جیسا ہوتا ہے۔ رنگ پیلا یا پیلا پن لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کا خول بڑا ہوتا ہے۔

کوڑی، گیہوں کے دانے سے بند مٹھی تک کی ساخت کی ہوتی ہے۔ تمام دنیا میں اس کی 165 اقسام پائی جاتی ہیں۔ پرنس (Prince)، لیوکوٹرون (Lucotrone)، گٹاٹا (Gattata)، کل ٹنس (Kultons)، واکرلیس (Wakerles)، یورینیم (Uranium)، بروڈریا (Brodaria)، ریبس (Reebs) وغیرہ عمدہ کوڑیاں مانی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے بہترین پرنس کوڑی ہے۔

ان کے علاوہ چیتل (Cheetal)، چالنا (Chalna)، اریبین (Arabian)، گولڈن (Golden)، میپ (Map)، کافی بین (Cofibeen)، مول (Mole)، کیلی فورنیا (California)، ٹائیگر (Tiger)، ڈان (Don)، شٹل (Shuttle)، ہنی (Honey)، پھلٹن (Phulton) وغیرہ مشہور کوڑیاں ہیں۔ پھلٹن کوڑی مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہوتی ہے جبکہ باقی تمام کوڑیاں سمندر سے حاصل ہوتی ہیں۔

کوڑی درحقیقت سخت خول والی سمندری مخلوق ہے۔ سائنسی زبان میں اسے سائپریا (Saipria) کہا جاتا ہے۔ مولسک (Mollusc) گروپ کے سب سے بڑے گروپ گیسٹروپوڈا (Gastropoda) کے تحت آتی ہے۔

عام مولسکوں کی طرح کوڑی کا جسم بھی نازک ہوتا ہے مگر اس کا اوپری خول سخت ہوتا ہے۔ یہ خول چکنا ہوتا ہے اور اس پر مختلف رنگوں کے چتّے یا دھبّے ہوتے ہیں جو کوڑی کے مر جانے کے بعد ہی نظر آتے ہیں۔

کوڑی میں آگے کی طرف دو حساس اعضا ہوتے ہیں جن پر دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ چلتے وقت کوڑی انھیں آگے کی طرف رکھتی ہے۔ خطرہ محسوس ہوتے ہی خول کے اندر لے لیتی ہے۔

کوڑی کا صرف ایک پاؤں ہوتا ہے جس کے سہارے وہ آگے کی طرف آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ سب سے زیادہ رفتار، سائپریا اَسین لی لیس (Sipriya Alsenliyas) کوڑی کی ہوتی ہے۔

خول کے نیچے کی طرف ٹھیک درمیان میں ایک لمبی دانتے دار درار ہوتی ہے۔

کوڑی، مونگے کی دیواروں سے لگے کناروں پر اتھلے پانی میں رہنا پسند کرتی ہے۔ اکثر پانی کے باہر ساحلوں پر رینگتی ہوئی نظر آتی ہے۔

کوڑی، عام سمندری مخلوق خصوصاً گھونگھوں (جو سبزی خور ہوتے ہیں) کے تحت آتی ہے مگر گوشت خور ہوتی ہے۔ البتہ کچھ کوڑیاں کائی اور سمندری پودے بھی کھاتی ہیں۔

کوڑی دن میں شکار کرتی ہے کیونکہ اسے دن میں کئی بار کھانا پڑتا ہے۔ ہر کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کرتی ہے۔

کوڑی انڈے دیتی ہے۔ تین ہفتوں تک ان کی حفاظت کرتی ہے۔ انڈوں سے لاروے نکلتے ہیں پھر لاروے کے اوپر کے سوراخوں سے بچے باہر نکلتے ہیں اور سمندر کے پانی میں تیرنا شروع کر دیتے ہیں۔ خول بننے کا آغاز ہوتے ہی بچے سمندر کی گہرائی میں چلے جاتے ہیں اور جوان ہونے تک وہیں رہتے ہیں۔ خول مکمل ہونے پر ان کی نشوونما رُک جاتی ہے۔

زمانہ قدیم میں کوڑیاں شرح مبادلہ کے لیے استعمال ہوئیں۔ اکثر کھدائی کے دوران مختلف مقامات پر کوڑیاں برآمد ہوئیں۔ دھاتوں کے سکے تو بہت بعد میں رائج ہوئے۔ ابتدا میں کوڑیوں ہی نے یہ ذمے داری نبھائی۔ کوڑی کو بطور سکہ رائج ہونے میں اس کی تین خصوصیات کام آئیں:

اوّل: تو یہ کہ نقلی کوڑی بنائی نہیں جاسکتی تھی۔

دوم: کوڑیوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا آسان تھا۔

سوم: کوڑیوں کو گننے میں آسانی تھی۔

کوڑی کی 165 قسموں میں سے صرف منی کوڑی (Siperia Moneta) اور رنگ کوڑی (Siperia Anelas) ہی کا سکوں کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

منی کوڑی (Sippria Moneta) چھوٹی، چکنی اور موٹے کناروں والی ہوتی ہے۔ اس کا رنگ پیلا اور وزن زیادہ ہوتا ہے۔

رنگ کوڑی (Siperia Anelas) کا رنگ مٹ میلا سفید ہوتا ہے۔ اس کی پشت پر نارنگی رنگ کے دائرے ہوتے ہیں اس لیے گولا کوڑی یا رنگ کوڑی بھی کہلاتی ہے۔

افریقہ کے بعض حصوں میں انیسویں صدی تک کوڑیاں بطور سکہ استعمال میں آتی رہیں— بلکہ کوڑی ہی خاص سکہ تھیں۔ افریقہ کے راجہ Curiama کی سالانہ آمدنی تین کروڑ کوڑی تھی—

ناسّا واما (Nassa Vama) کے راجہ نے اپنی زمین ایک افریقی کمپنی کو تین لاکھ کوڑی میں فروخت کی تھی۔

سنہ 1800 میں پانچ کوڑیوں میں ایک انڈا اور تیس کیلے ملتے تھے:

- ☆ ایوقبیلوں (Eve Tribals) کے لوگ مردوں کو مٹی کے ساتھ کوڑیوں سے ڈھانکتے تھے تا کہ اس پر کسی کا قرض رہ گیا ہو تو وہ کوڑیاں اٹھا لے۔
- ☆ یگانڈا میں 1921 تک ایک روپیہ سو کوڑیوں کے برابر ہوتا تھا۔
- ☆ افریقہ میں 2,000 کوڑیاں ایک ڈالر کے برابر تھیں۔
- ☆ ویسٹ انڈیز کے ایک چرچ کی تعمیر میں 3 کروڑ 60 لاکھ کوڑیاں مزدوری کی شکل میں خرچ کی گئی تھیں۔
- ☆ سیام میں 6,400 کوڑیاں ایک ٹکّل کے برابر ہوتی تھیں۔
- ☆ انگلینڈ میں 1,000 کوڑیاں ایک شلنگ کے برابر ہوتی تھیں۔
- ☆ افریقہ میں کوڑی کو (Kurdi) کہتے تھے۔ وہاں کے باشندے 100 کوڑیوں کی 20 کوڑیوں کی مالا پہنتے تھے۔
- ☆ مارکو پولو نے چین میں سکوں کی شکل میں کوڑیوں کے چلن کا ذکر کیا ہے۔
- ☆ ایک وقت تھا جب دھات کے سکے کوڑیوں کی شکل کے بنائے جاتے تھے۔
- ☆ دوحہ میں 1930 تک کوڑی کا سکہ چلتا تھا۔

☆ سوڈان کے لوبی (Lobi) قبیلے میں 1931 تک سارا لین دین کوڑیوں کے ذریعے ہوتا تھا۔

☆ کوڑیوں کی قیمت ان کی ساخت پر طے کی جاتی تھی۔ ایک پیسے سے لے کر کوڑی ایک کروڑ کی بھی ہوتی تھی۔

☆ دنیا میں 'پرنس' کوڑی صرف ایک باقی رہ گئی ہے جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

☆ 1961 میں اس کی قیمت 28 ہزار روپے تھی۔ آج تقریباً ایک کروڑ روپے ہے۔

☆ سنہ 1928 تک Lucotrone کوڑی بھی ایک ہی تھی۔ 1960 میں ایک کا اضافہ ہوا۔ 1965 کے بعد ایسی سات سے زیادہ کوڑیاں محفوظ ہیں۔

☆ پوری دنیا میں گٹاٹا کوڑیاں 25 ہیں۔ آج ایک کی قیمت 13-13 ہزار روپے ہے۔

☆ Reebs کوڑی کی قیمت تین ہزار ہے۔

☆ Armeniaca کوڑی کی امریکہ میں 1,875 ڈالر قیمت ہے۔

☆ Midway Sayanism کوڑی کی قیمت جاپان میں 1,825 ڈالر ہے۔

سکے جمع کرنے کا شوق رکھنے والے کوڑیوں کا بھی ذخیرہ رکھتے ہیں۔ جے پور کے مالویہ انجینئرنگ کالج کے پروفیسر راجہ رام راؤ کے پاس 125 قسم کی کوڑیاں موجود ہیں۔

■

Dr. Bano Sartaj
Opposite Akashwani, Civil Linez
Chandrapur - 442401 (Maharashtra)

جوابات

ریحان احمد عباسی

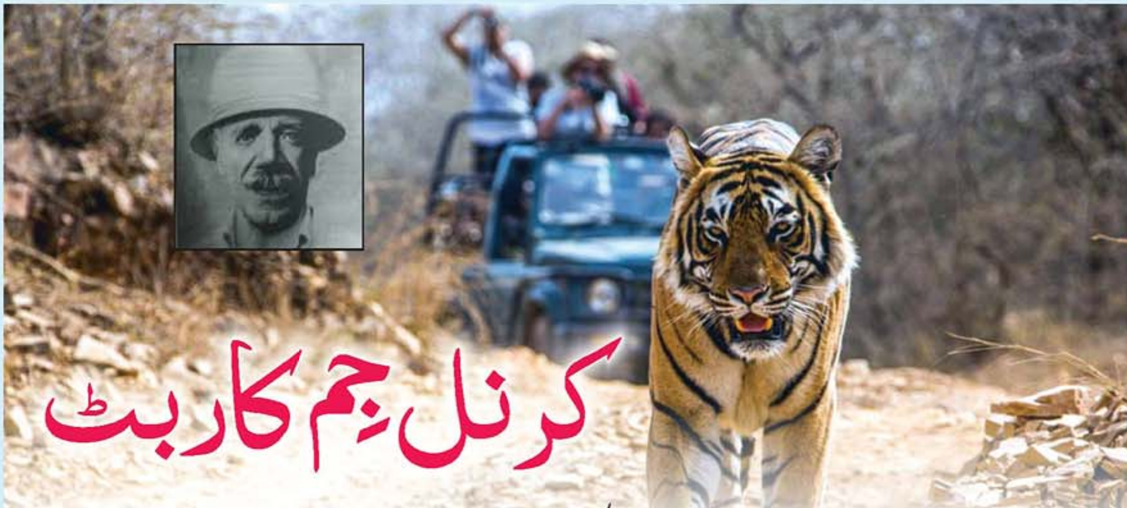

کرنل جِم کاربٹ

ہندوستان کی ان نامور ہستیوں میں، جنھوں نے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی، ایک نام لیفٹیننٹ کرنل جم کاربٹ کا بھی ہے۔ کاربٹ کو یہ شہرت دراصل آدم خور درندوں سے نبرد آزمائی پر مشتمل انگریزی زبان میں شائع ہوئی ان کہانیوں سے ملی جو اپنی زبان و اندازِ بیان کی بنیاد پر شکاریات کی دنیائے ادب میں اپنی مثال آپ ہیں۔

جم کاربٹ نے شکار کھیلا اور زندگی بھر کھیلا، لیکن بڑا مقصد اس کے پیچھے تھا۔ ہزاروں ایکڑ میں پھیلی چھدری بستیوں میں آباد، نہتے، لاچار، بے بس غریب لوگوں کو خون کے پیاسے ان درندوں سے بچانا، جو انھیں نہ راتوں کو چین سے سونے دیتے تھے اور نہ ہی دن میں روزی روٹی کے لیے باہر کھیت کھلیانوں کی طرف جانے دے رہے تھے۔

جم کاربٹ کی پیدائش اتراکھنڈ پردیش کے مرکزی شہر نینی تال میں 1875 میں ہوئی۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں آٹھویں نمبر پر تھے۔ باپ کا نام تھا کرسٹوفر، اور ماں میری جینے کاربٹ۔ ماں سے گہرے لگاؤ کی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ 'کاربٹ' لگا، جو بالآخر نام کا جزو بن گیا۔ جم کاربٹ کے والد نینی تال کے ڈاک خانے میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ جم نے میٹرک کا امتحان نینی تال کے 'فلیڈ رس اسمتھ کالج' سے اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اس لیے ان کے استاد چاہتے تھے کہ وہ اسی کالج میں اپنی تعلیم بدستور جاری رکھیں لیکن، نیچر سے فطری لگاؤ اور عام لوگوں کی طرح زندگی گزارنے کے رجحان کی وجہ سے کاربٹ نے آگے تعلیم جاری رکھنے میں دلچسپی نہیں دکھائی اور میٹرک کے بعد تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

جم کاربٹ بچپن سے ہی گرمیوں کے دن نینی تال میں اپنے والدین کے ساتھ 'گرمی ہاؤس' میں اور سردیوں کا موسم اتراکھنڈ کے علاقے 'کالاڈھونگی' میں گزارا کرتے، جہاں ان کے بڑے بھائی رہتے تھے۔ بھائی کا بنگلہ ایک ایسے گھنے جنگل کے درمیان واقع تھا جہاں بڑی تعداد میں مختلف اقسام کے پیڑ پودوں اور جانوروں کی بھرمار تھی۔ یہیں پر ہندوؤں کی دیوی 'نینی' کا مندر بھی تھا، جس کے آس پاس چھ ساڑھے چھ کلومیٹر کے دائرے میں ہی کاربٹ نے پہلی بار تیندوؤں (گلداروں) اور شیروں کو گھومتے پھرتے اور شکار کرتے ہوئے دیکھا۔ ایسے قدرتی ماحول کے حسین مناظر نے ان پر

بہت زیادہ اثر ڈالا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس سال کی کچی عمر سے ہی ان پر شکار کا خمار چڑھنے لگا۔ ان کا پہلا شکار ایک تیندوا بنا اور اس کے بعد تو انھیں اپنے نشانے پر اتنا اعتماد ہو گیا کہ جو بھی چھوٹا بڑا جانور ان کے سامنے پڑ جاتا، وہ اسے اپنا شکار بنا لیتے۔

جم کاربٹ جب اٹھارہ سال کے ہوئے تو بہار کے مکاما گھاٹ جا کر ریلوے میں ملازمت حاصل کر لی۔ یہاں ان کی تقرری اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کے طور پر ہوئی۔ کچھ دنوں بعد یہ نوکری چھوڑ دی اور مزدوروں کے ٹھیکیدار بن گئے۔ جب 1914 میں پہلی عالمی جنگ چھڑی، ان دنوں وہ کماؤں علاقے سے 500 مزدوروں کے ایک بڑے گروپ کو فرانس لے جانے میں کامیاب ہوئے، جس کے بعد ان کا نام ایک قابلِ اعتماد لیبر کنٹریکٹر کی صورت میں سامنے آیا، جو لوگوں کو بہ رضا و رغبت کام کے لیے تیار کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جم کاربٹ نے فوجی ٹریننگ کبھی نہیں لی اور نہ ہی کبھی فوج میں ملازمت کی۔ انھیں لیفٹیننٹ کرنل کا اعزازی خطاب برطانوی حکومت کی طرف سے سپاہیوں کی بھرتی کرانے میں مدد کرنے کے اعتراف کے طور پر دیا گیا تھا۔ 1920 میں ٹھیکیداری میں کام کے دباؤ کی وجہ سے جب ان کی طبیعت ناساز رہنے لگی تو وہ نینی تال واپس آ گئے اور اگلے چوبیس سال تک نینی تال میونسپل بورڈ کے ایک منتخب نمائندے کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔

جب کاربٹ بہار میں ریلوے کی ملازمت میں تھے، ان دنوں بھی وہ اپنی چھٹیوں میں حسب عادت کالا ڈھونگی میں رہنے کو ہی ترجیح دیتے، جہاں وہ زیادہ وقت شکار کرنے میں ہی گزارتے۔ ایسے ہی موقعوں پر انھوں نے دو آدم خور شیروں کو مارنے میں کامیابی حاصل کی جس کی بڑی شہرت ہوئی، اور ان کا نام دور دور تک ایک ماہر نشانے باز شکاری کے طور پر جانا جانے لگا اور بڑے لوگوں کی شکار پارٹیوں کے لیے، جن میں نوابین، رجواڑے اور اعلیٰ سرکاری وغیرہ افراد شامل ہوتے، ایک ایسے تجربہ کار گائڈ کے طور پر مشہور ہو گئے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسی ہی ایک شکار پارٹی میں جس میں تین انگریز اعلیٰ فوجی افسر شامل تھے، ایک ایسی صورت حال پیش آئی جس نے کاربٹ کی زندگی گزارنے کا انداز ہی بدل دیا۔ ہوا یہ کہ شمالی ہند کی ایک جھیل میں، جس میں ہزاروں کی تعداد میں مرغابیاں موجود تھیں، یہ انگریز شکاری اتنی بڑی تعداد میں شکار دیکھ کر اپنا آپا کھو بیٹھے، اور چند منٹوں کی فائرنگ میں ایک سو سے زیادہ مرغابیاں مار لی گئیں۔ اس کامیابی پر انگریز شکاری خوشیاں منا رہے تھے، لیکن جم کاربٹ رنج میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس قتل عام کا دل پر اثر لیا۔ انھیں اس طرح کے شکار سے نفرت ہو گئی۔ اس واقعے کے بعد انھوں نے نہ صرف خود شوقیہ شکار کھیلنا بند کر دیا، ساتھ ہی شکار پارٹیوں کو شکار کھلانے کے کام سے بھی توبہ کر لی، اور محض شکار کرنے کے نام پر کسی بھی جانور پر بے وجہ گولی نہ چلانے کا عہد کر کے شکار

کو ہمیشہ کے لیے ترک کردیا اور صرف ان خونخوار تیندوؤں اور شیروں کو مارنے کے لیے بندوق اٹھائی جو یا تو آدم خور ہوگئے تھے یا پھر نہتے دیہاتیوں کے پالتو مویشیوں کو مارنے کے عادی ہوکر انھیں بھوکوں مرنے پر مجبور کررہے تھے۔

آدم خور درندوں کے خلاف جم کاربٹ کی مہمات کا علاقہ اتراکھنڈ کا کماؤں اور گڑھوال تھا، جہاں جنگل گھنا، اوبڑکھابڑ اور پھسلواں چٹانوں والا ہے جس کی وجہ سے میدانی علاقوں کے شکاری اس علاقے میں جانے سے کتراتے اور اگر ہمت دکھاتے بھی تو انھیں کامیابی ہاتھ نہ لگتی تھی لیکن جم کاربٹ یہیں پلے بڑھے تھے، اس لیے وہ جانتے تھے کہ مقامی مشکلات کا کس طرح مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اسی لیے اپنی لگن اور اَن تھک جدوجہد کی بدولت دیر سویر وہ اپنی مہم میں کامیاب ہو ہی جاتے۔

جم کاربٹ نے اپنا آخری آدم خور تب مارا جب وہ ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر پار کرچکے تھے۔ انھیں سب سے زیادہ شہرت اتراکھنڈ کے چمپاوت کے آدم خور کو مارنے میں ملی۔ یہ آدم خور کوئی شیر نہیں بلکہ ایک تیندوا تھا جسے وہاں کے توہم پرست ایک آسیب، ایک بدروح ماننے لگے تھے جس کا خاتمہ کسی انسان کے ہاتھوں ہو ہی نہیں سکتا۔ اس خونخوار درندے نے اپنا پہلا انسانی شکار موضع پینجی میں 9/جون 1918 کو اور آخری شکار موضع بھینسواڑہ میں 14/اپریل 1926 کو کیا۔ اس نے آٹھ سالوں کے دوران سرکاری ریکارڈ کے مطابق 125 انسانوں کو اپنا شکار بنایا جبکہ عام خیال یہ ہے کہ مارے جانے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی، کیونکہ ایسے پہاڑی دورافتادہ علاقوں کی جہاں دشوار گزار راستوں کی وجہ سے آنا جانا آسان نہیں ہوتا، بہت سی وارداتوں کی خبر سرکاری حکام تک پہنچ ہی نہ سکی ہوگی۔ جم کاربٹ کے ہاتھوں اس خونی درندے کو انجام تک پہنچانے کی داستان جو 25 ابواب پر مشتمل ایک ناول کی صورت میں شائع ہوئی، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

کاربٹ کا کہنا ہے کہ میں نے لگ بھگ بتیس سال آدم خور شیروں کا پیچھا کرنے میں گزارے ہیں اور اگرچہ میں نے ایسے منظر بھی دیکھے ہیں جنھیں دیکھ کر پتھر دل کو بھی رونا آجائے، مگر ایسی مثال میرے سامنے نہیں آئی جس میں شیر نے قصداً ظلم ڈھایا ہو اور خونخواری کا ثبوت دیا ہو یا بغیر کسی اشتعال کے اس سے زیادہ جانوروں کو مارا ہو، جتنا کہ اس کو اپنا یا اپنے بچوں کے پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہو۔

جم کاربٹ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ شیرخواری سے لے کر بڑھاپے تک، زندگی کی تمام منزلیں یہیں طے کیں، مگر مٹی سات سمندر پار افریقہ کے لیے لکھی ہوئی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ اپنی بہن 'میگی' کے پاس کینیا چلے گئے اور 1955 میں 80 سال کی عمر میں وہیں اپنی مجرد زندگی کی آخری سانس لی، مگر گڑھوال کے لوگوں کے ذہنوں پر گہری چھاپ چھوڑ گئے۔ اچھا خاصا وقت گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ ان کے دلوں میں اپنا گھر بنائے ہوئے ہیں۔ وہ ایک مشہور شکاری تھے اور جب آدم خور درندوں کا زور ختم ہوگیا تو وہ شیروں کی گھٹتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ان کو بچانے کی تحریک کے علمبردار بن کر سامنے آئے۔ ان کی بے مثال خدمات کے اعتراف میں 1956 میں حکومتِ ہند نے اتراکھنڈ میں واقع ہندوستان کے پہلے واحد 'پہلے نیشنل پارک' کو 'جم کاربٹ نیشنل پارک' نام دے کر انھیں ہمیشہ کے لیے امر بنادیا۔

■

R.A. Abbasi
D-12, Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

معزالدین ماجد

معاف کردو... پلیز!

12سالہ فرازروز بروز کمزور ہوتا جارہا تھا۔سرخ سفید چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔نٹ کھٹ فراز خاموش، اُداس اور غمگین نظر آنے لگا تھا۔ اکثر وبیشتر وہ کہیں تنہائی میں سکنے لگتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کسی بڑی مصیبت میں پھنس کر الجھ گیا ہو۔اس کے چہرے پر ابھرتی ڈوبتی آڑی ترچھی سوچ وفکر اور درد کی لکیریں اس کی ذہنی الجھن کا پتہ دیتی تھیں۔اس کی اس انقلابی تبدیلی پر سب حیران و پریشان تھے۔فراز کی یہ حالت دیکھ کر اس کے ممی پاپا بے حد فکر مند تھے۔ اس کی بیماری ڈاکٹروں کے لیے بھی ایک معمّہ بن کر رہ گئی تھی۔کئی کئی جگہ سارا میڈیکل چیک اپ اور مکمل جانچ ہونے کے باوجود تمام رپورٹیں نارمل بتارہی تھیں اور ڈاکٹر کسی اہم نتیجہ پر پہنچنے میں ناکام ثابت ہورہے تھے۔شہر کے چھوٹے ومعمولی ڈاکٹر سے لے کر مشہور ومقبول نامور ماہرین کا علاج بے اثر ہو چکا تھا۔ فراز کے ممی پاپا بھاگ دوڑ اور علاج کرتے کرتے تھک چکے تھے۔بلکہ عاجز ہو چکے تھے۔جو جیسا بتاتا تھا ویسا کرتے تھے۔ دوا کے ساتھ ساتھ تعویذ و دعاؤں کا بھی دور جاری تھا۔ ڈاکٹروں کی ٹیم بیماری یا ذہنی کوائف اور مایوسی(Depression) تجویز کرتی۔مولوی مولانا صاحبان نظر بد، سحر، سفلی عمل یا پھر آسیب کا چکر بتارہے تھے مگر یہ ساری حکمت عملی پتھر کی چٹان پر پانی کی چھینٹیں مارنے کی طرح تھیں۔

فراز اسکول سے آتا۔معمول سے کم کھانے کے بعد وہ اپنے اسٹڈی روم کے فولڈنگ بیڈ پر کچھ دیر آرام کرتا۔قریب کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد پھر بیڈ پر لیٹ جاتا۔ اسکول، مسجد، مختصر ناشتہ، کھانا، ہوم ورک اور پھر بیڈ پر نیند کی آغوش میں چلے جانا......یہی معمول بن گیا تھا۔دوستوں سے زیادہ ملنا جلنا، موبائل پر گفتگو کرنا یا وہاٹس ایپ پر میسیج دیکھنا یا بھیجنا، ٹی، وی پروگرام یا خبریں دیکھنا، غرضیکہ سب کچھ فراز نے ترک کردیا تھا۔ بس، ہر وقت کھویا کھویا سا رہتا.....نہ جانے

کیا کچھ سوچتا رہتا تھا۔

ایک روز رات میں سارے کام اور نماز سے فارغ ہو کر فراز کی ممی اس کے اسٹڈی روم کے قریب سے گزرتے وقت عجیب وغریب لہجے میں روہانسی آواز سن کر ٹھٹھک گئیں۔ اسٹڈی روم میں فراز بیڈ پر لیٹا تھا۔ کتاب اس کے چہرے پر پڑی تھی۔ غالباً وہ پڑھتے پڑھتے سوگیا تھا۔ فراز نیند میں بڑبڑا رہا تھا۔ ''آئی۔ ایم۔ ساری۔ پلیز معاف کردو...پلیز......'' فراز کی ممی دوڑ کر اس کے پاپا کو بلا لائیں۔ فراز کے ممی پاپا بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ ان کے لیے ایک مشکل معمّہ سے کم نہیں تھا۔ انھوں نے کتاب چہرہ پر سے اٹھا کر میز پر رکھ دی اور اسے دھیرے دھیرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جگایا۔ ''کیا بات ہے بیٹا؟'' وہ ہڑبڑا کر آنکھیں رگڑتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ ''کک....کچھ نہیں پاپا۔'' ''کچھ تو ہے۔ بیٹا ہم لوگوں سے کیا چھپانا۔ ہم تمھارے ماں باپ ہیں۔'' ممی پچکارتی ہوئی بولیں۔

فراز پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔

فراز کے پاپا نے اپنے دوست اور فیملی و پڑوسی ڈاکٹر خان کو فون کر کے بُلا لیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا اور نفسیاتی طریقۂ کار اپناتے ہوئے بہلا پھسلا کر حقیقت معلوم کرنے میں جُٹ گئے۔

''ڈاکٹر انکل! میری وجہ سے اُسے اتنی چوٹ آئی کہ وہ پتہ نہیں بچا کہ نہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ سسکنے لگا۔

''کس کو چوٹ آئی......؟ پوری بات بتاؤ بیٹے۔ ہم کسی سے کہنے تو جا نہیں رہے ہیں۔'' ڈاکٹر نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دی۔

''ایک دن میں نے چھٹی کے بعد باہر 2 کیلے خریدے اور بس سے گھر آرہا تھا۔ میں نے ایک کیلا کھا کر چھلکا باہر پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد دوسرا کیلا بھی کھا کر چھلکا کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔ اس وقت بس مین روڈ سے گزر رہی تھی۔ جیسے ہی چھلکا پھینکا کہ اسی وقت ایک آدمی بائیک سے بس کے پاس سے گزر رہا تھا کہ وہ کیلے کے چھلکے پر سِلپ کر گیا اور آتی ہوئی

وِکرم سے ٹکرا کر بے ہوش ہوگیا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا اور Bleeding شروع ہوگئی۔ بھیڑ لگ گئی ۔ جام کے ڈر سے میری بس آگے بڑھ گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ آدمی بچا... یا...'' بولتے بولتے فراز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ڈاکٹر نے اشارے سے فراز کے ممی پاپا کو منع کر دیا۔ ڈاکٹر کا مقصد فراز کے دل کا سارا غبار آنسوؤں کے ذریعہ نکال دینا تھا جو اس کے لیے بہتر تھا۔

کچھ دیر رو لینے کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو ڈاکٹر نے اسے تھوڑا سا پانی پلایا اور حیرت و مسرت کے ملے جلے انداز میں بولے'' واہ بیٹا واہ! یو آر گریٹ!! روزمرہ کی زندگی میں ہم جیسے بڑے عمر کے لوگ اس طرح کی حرکتیں کر جاتے ہیں اور احساس تک نہیں ہوتا کہ ہماری ذرا سی غلطی یا لاپرواہی سے کسی کا نقصان ہوسکتا ہے یا کسی کی جان بھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس بے حسی کے دور میں تم ایک بہترین مثال ہو بیٹے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ اس آدمی کا حادثہ تمھاری وجہ سے ہوا تو اس کی سزا (Punishment) تو مل ہی گئی۔ تمھارے احساس نے تمھاری مسکراہٹ چھین لی۔ تمھیں کمزور اور بیمار بنا دیا، تو کیا یہ کم سزا ہے ؟'' انھوں نے فراز کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔'' بیٹے! جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ۔ خوش رہنے کی کوشش کرو۔ دل لگا کر محنت سے اچھی تعلیم حاصل کرو اور لوگوں کی خدمت کرو...ان کی مدد کرو۔ یہی ایمان ہے اور بڑے آدمی کی پہچان!'' ڈاکٹر خان نے اپنا بیگ اٹھایا اور فراز کے ممی پاپا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔ آپ کے نونہال پر فخر ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں (You are realy lucky) اور کہتے ہوئے ڈاکٹر خان چلے گئے۔

فراز کو اس کے ممی پاپا نے پیار سے لپٹا لیا۔ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے۔ فراز رفتہ رفتہ پھول کی طرح کھلنے لگا تھا۔

■

Moizuddin 'Majid'
152B/7D Wasiabad (Sadiyapur)
Allahabad - 211016 (UP)

سلطان آزاد

سانچ کو آنچ نہیں

رحیم ابھی درجہ ششم کا طالب علم ہی تھا کہ ایک حادثے میں اُس کے والد کی موت ہوگئی۔ اب اس کے سامنے صرف اس کی ماں تھی۔ وہ بھی اکثر بیمار رہتی تھی۔ اس کی پڑھنے لکھنے کے لیے کتابوں اور کاپیوں کی ضرورت پوری ہونی تو درکنار کھانے کے لیے بھی اس کے پاس پیسے نہ تھے۔ وہ اپنی چھوٹی سی عمر میں مصیبت اور ماں کی بیماری سے گھبرا کر سوچنے لگا کہ میں کیا کروں؟ اسے ایک ترکیب سوجھی۔ ماں سے بولا ”ماں! میں تمھارے علاج اور کھانے کے لیے کام کروں گا۔“ ماں نے کہا نہیں بیٹے! ابھی تو بہت چھوٹا ہے، تجھ سے کام نہیں ہو سکے گا۔“ لیکن رحیم اپنی ضد پر قائم رہا۔ آخر ماں نے مجبور ہو کر کہا: ”ٹھیک ہے، جاؤ۔ لیکن بیٹے! ایک بات کبھی نہ بھولنا۔ چاہے کچھ ہو جائے، تو بولنا ہمیشہ سچ۔“

رحیم کام کی تلاش میں گھومتے گھومتے ایک گوالے کے پاس جا پہنچا۔ جو گائے کا دودھ دوہ رہا تھا۔ رحیم کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر گوالے نے اس سے پوچھا، ”کیا ہے؟“ ”مجھے کام چاہیے۔ میں کام کرنا چاہتا ہوں۔“ رحیم نے اسے جواب دیا۔

گوالے نے اسے نوکر کی حیثیت سے رکھ لیا۔ اور وہ روزانہ دور دور تک جا کر لوگوں کو دودھ پہنچانے لگا۔ ایک دن ایک گاہک نے اس سے ڈانٹ کر پوچھا: ”سچ سچ بتا تیرا مالک دودھ میں پانی ملاتا ہے یا نہیں؟“ اس نے سچ سچ کا نام سن کر سچی بات بتا دی کہ ”ہاں! میرا مالک دودھ میں پانی ملاتا ہے۔“ یہ سن کر گوالے نے اسے مار پیٹ کر نکال دیا۔ بے چارہ رحیم دوسری جگہ نوکری کی تلاش میں موٹر کے کارخانے میں پہنچا۔ وہاں اس نے کارخانے کے مالک سے بھی نوکری کی بات کہی۔ کارخانے کے مالک نے اسے نوکر رکھ لیا۔ ایک دن ایک آدمی کار مرمت کے لیے دے گیا اور دوسرے دن جب وہ آیا تو اس نے پوچھا ”گاڑی تیار ہوگئی؟“ رحیم نے کہا، ”ہاں حضور۔“ وہ کمرے کے اندر جا کر مالک کو بلانا ہی چاہتا تھا کہ گاڑی والے نے کہا۔ ”سنو!“ اور وہ رک گیا۔ ”اس گاڑی میں جو کچھ بدلنا تھا وہ بدلا گیا ہے یا نہیں؟“ گاڑی والے نے رحیم سے پوچھا۔ رحیم نے سچ سچ بتا دیا کہ اس گاڑی کا نیا پرزہ نکال کر پرانا پرزہ لگایا گیا ہے۔ گاڑی والے نے مالک کی خبر لی اور مالک نے

رحیم کو کارخانے سے کان پکڑ کر نکال دیا۔

رحیم مایوس ہو کر جب شام کو گھر لوٹ رہا تھا تو اس کی نگاہ اسکول کی طرف جا لگی۔ جہاں وہ کبھی پڑھتا تھا۔ اسکول سے نکل کر لڑکے ہنستے کھیلتے، کودتے اپنے اپنے گھر جا رہے تھے۔ اسے یہ منظر دیکھ کر اپنی درگت پر بڑا افسوس ہوا لیکن کیا کرتا۔ وہ بھی اپنے گھر کی طرف چل پڑا اور گھر جا کر پلنگ پر اپنی ماں کے قریب بیٹھ گیا اور سر جھکا کر سوچنے لگا۔ ماں نے اسے دیکھ کر کہا: ''کیا ہوا بیٹا! لگتا ہے کہ تو آج بھی پریشان ہو کر آیا ہے۔ میں کہتی تھی نا کہ تجھ سے کام نہ ہو سکے گا، لیکن تو نے نہ مانا۔'' رحیم رو پڑا اور روتے ہوئے کہنے لگا! ''نہیں ماں! میں کام سے نہیں گھبرایا۔ میں تمھاری بات سے گھبرا گیا ہوں۔ تمھارا سچ کسی کو پسند نہیں۔ سچ بولنے پر لوگ مارتے پیٹتے ہیں۔''

''بیٹا تو اتنی سی بات سے گھبرا گیا۔ سانچ کو آنچ نہیں۔ تو دنیا کی پروا مت کر۔ بس سچ کو تو اپنائے رہ۔ ایک دن تو اسی سچ کے سہارے بڑا آدمی کہلائے گا۔''

اگلے دن رحیم پھر کام کی تلاش میں ایک ہوٹل میں پہنچا، وہاں اسے کام مل گیا۔ وہ گاہکوں کو کھانے پینے کی چیزیں الماریوں سے نکال کر تشتریوں (پلیٹ) میں دیتا تھا۔ ایک دن ہوٹل میں بہت بھیڑ تھی۔ ایک آدمی آیا اور اس نے رحیم کو ایک طرف کنارے بلا کر اس سے کہا: ''سنو! اس کافی میں اسے ملا دو، میں تمھیں دس روپے دوں گا۔'' یہ کہہ کر اس کے ہاتھ سے 'کافی' لے کر خود اس میں وہ چیز ملا دی۔ رحیم سمجھ گیا کہ ضرور کوئی خراب چیز ہے جو اس گاہک کو پلانا چاہتا ہے۔ وہ گھبرایا ہوا اس گاہک کے پاس گیا اور وہ 'کافی' گاہک کے سامنے رکھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کپ گر پڑا۔ گاہک نے غصے میں اس کا کان پکڑ کر اینٹھا اور مارنا شروع کر دیا۔

''کم بخت! میرے سوٹ کو برباد کر ڈالا۔'' یہ سن کر ہوٹل کا مالک بھی دوڑ پڑا۔ گاہک کے کپڑے پر گری ہوئی 'کافی' اور رحیم کو مار کھاتے دیکھ کر اس نے بھی مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ رحیم نے روتے اور بلبلاتے ہوئے کہا ''وہ آدمی جو ہوٹل سے بھاگا جا رہا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ سے 'کافی' چھین کر اس میں نہ جانے کیا ملا دیا تھا اور کہا تھا کہ ان کو دے دو تو میں تم کو دس روپے دوں گا۔ اس لیے میں گھبرا رہا تھا کہ کہیں انھوں نے اسے پی لیا تو ہو سکتا ہے کہ مر جائیں۔ اس لیے میں نے جان کر کپ گرا دیا۔ لیکن وہ نیچے گرنے کے بجائے ان کے کپڑے پر گر گیا۔'' جب اس گری ہوئی 'کافی' کو جانچا گیا تو واقعی اس میں زہر تھا۔ وہ گاہک شہر کا بہت بڑا رئیس تھا جس کے دشمنوں کی نظر اس کی دولت پر لگی ہوئی تھی۔ وہ رئیس گاہک رحیم کی بات سن کر اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ ہوا اور رحیم کو اپنے گھر لے گیا جہاں اسے رحیم کی سچائی معلوم ہوئی کہ اس کا باپ مر چکا ہے اور ماں بھی بیمار رہتی ہے۔

اب رحیم اور اس کی ماں اس رئیس کے یہاں رہنے لگے۔ کیونکہ اس رئیس کی کوئی اولاد نہ تھی اور دولت بے شمار تھی۔ کئی برسوں بعد وہی رحیم پڑھ لکھ کر اس علاقے کا ایک بڑا تاجر سیٹھ رحیم کے نام سے مشہور ہوا۔

■

Sultan Azad
Pannu Lane, Gulzar Bagh
Patna - 800007 (Bihar)

ندیم غوری

چھوٹی گڑیا

چھوٹی اپنی گڑیا کو نہلاتے ہوئے کہنے لگی، ''اچھے بچے نہیں روتے اور ہماری گڑیا تو نہاتے وقت بالکل نہیں روتی.......... ارے..........ارے..........آنکھ میں صابن چلی گئی! اس کی تو .... ابھی پانی سے دھو دیتے ہیں.......... ہاں! اب ٹھیک ہے نا؟ جلن تو نہیں ہو رہی ہے آنکھ میں؟ نہیں نا؟ چلو ٹھیک ہے۔ ہماری بیٹی بڑی بہادر ہے۔ نہاتے ہوئے آنکھ بند رکھنی چاہئے تاکہ پانی کے ساتھ صابن آنکھ میں نہ چلی جائے۔

پھر چھوٹی نے گڑیا کا بدن تولیے سے خشک کیا اور کمرے میں لے آئی اور کہنے لگی دیکھو میری بچی کیسی اُجلی پھول چاند کا ٹکڑا نظر آ رہی ہے۔ جی چاہتا ہے لمبی پپّی لے لوں۔ جلدی جلدی بدن پر گویا پاؤڈر چھڑکا اور کپڑے پہنانے لگی۔ لال فراک ہری شلوار پیروں میں کارچوبی جوتیاں اور پھر کھلے بالوں میں کنگھی کر کے چوٹی گوندھنے لگی کہ اچانک گڑیا بول پڑی۔

گڑیا: ''ممی آپ میرے بالوں کو کُھلا رہنے دیں۔''

چھوٹی: ''نا بیٹا، کُھلے بالوں کو جنّات کی نظر لگ جاتی ہے۔''

گڑیا: ''اور آپ یہ میری مانگ میں تارے کیوں بھر رہی ہو؟''

چھوٹی: ''تاکہ تمہارا ذہن روشن رہے اور اچھے بُرے خیالات پر روشنی پڑتی رہے اور تم سیدھی راہ پر چلتی رہو۔''

گڑیا پھر پوچھ بیٹھی : ''ممی ہم کپڑے کیوں پہنتے ہیں اور یہ اوڑھنی کیوں ڈال رکھی ہے؟''

چھوٹی: ''بیٹا باہر کا موسم بڑا مسموم ہے۔ مناسب کپڑوں سے اپنی حفاظت ہوتی ہے۔''

گڑیا: ''ممی یہ مسموم کیا ہوتا ہے؟''

چھوٹی: مسموم کا مطلب زہریلا ہونا ہوتا ہے۔ ہواؤں میں زہر بھرا ہو تو کہتے ہیں کہ فضا مسموم ہو گئی۔''

گڑیا: ''ممی جب میں تیار ہو کر باہر جاتی ہوں تو تم مجھے دروازے سے کیوں دیکھتی رہتی ہو؟''

چھوٹی: ''بیٹی میں تیرے قدموں پہ نظر رکھتی ہوں کہ کہیں ڈگمگا نہ جائیں۔ اور خدا نخواستہ تجھے ٹھوکر لگ ہی جائے تو میں تجھے سہارا دے سکوں کہ میری بچی سنبھل جائے۔ خدا تجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے، یہی دعا ان پرانی دیواروں سے جاری رہتی ہے۔''

گڑیا: ''ممی آپ سب سے اچھی ہیں، آپ میرا کتنا خیال رکھتی ہیں، کتنی خدمت کرتی رہتی ہیں۔''

چھوٹی: ''خدمت! نہیں بیٹا، یہ بے لوث اندھی محبت اور فرض ہوتا ہے جو سارے ماں باپ اپنے بچوں کے لیے بڑے چاؤ سے نبھاتے رہتے ہیں۔ لیکن جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو یہ فرض نبھانا والدین کے بعد اُس کے بچوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔''

گڑیا: ''تو پھر اولاد کو کیا کرنا پڑتا ہے؟''

چھوٹی: ''بس یہی کہ والدین کے بھروسہ کو ٹھیس نہ پہنچے اور بیٹی ماں باپ کی رضامندی سے خوشی خوشی عزّت سے وداع ہو جائے۔ ایک لڑکی سے کئی گھرانوں کی عزّت وابستہ ہوتی ہے کہ ذرا سی بھول سب کو رُلا سکتی ہے اور برباد کر سکتی ہے۔''

(چھوٹی کی والدہ کمرے میں داخل ہوتی ہیں)

امّاں: ''چھٹکی! یوں اکیلے خود سے بڑبڑانا بند کر دے بیٹی۔ کسی نے دیکھ لیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ اپنے آپ سے باتیں کرتے کرتے تیری عمر بیتی جا رہی ہے۔ بیٹا انسان کو صبر کے ساتھ ساتھ شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔''

(چھوٹی اپنی ماں کی طرف دیکھ کر پوچھتی ہے)

چھوٹی: ''امّاں آپ کب آئیں! اور یہ آنکھوں میں آنسو کیسے؟ مالک مکان آئے تھے کیا؟''

اماں: ''بیٹی یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ نیلم آئی ہیں۔ تیری گڑیا کے لیے گڈّا اور تیرے لیے اچھا اور پکّا رشتہ لائی ہیں۔

میں نے ہاں کر دی۔''

■

Mustafa Nadeem Khan Gauri
Zarrin Villa,B.11,
Green Valley, Roza Bagh
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

غلام محی الدین ترک

نیکی زندہ رہتی ہے

شایان نے اپنا بھالو توصیف کے ہاتھ میں دیکھا تو چِلّا اٹھا:

"تم نے میرا بھالو کیوں اُٹھایا؟ تم اپنی چیزوں کے ساتھ نہیں کھیلتے، اور میری چیزوں کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ اسے فوراً رکھ دو ورنہ تم میرے ہاتھوں سے پٹ جاؤ گے۔"

توصیف یہ سن کر سہم گیا۔ وہ بھالو تو اس نے اتفاق سے بے دھیانی میں اُٹھالیا تھا۔

ابو نے شایان کو سمجھایا: "توصیف تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔ تمھیں ہمیشہ چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

شایان نے کہا: "ابو! آپ نے اسے بھی تو چابی والی موٹر دلائی تھی، وہ تو اس نے خراب کر دی، یہی حال اب وہ میرے کھلونوں کا بھی کرے گا۔"

"بھائی! وہ موٹر تو میں نے وقاص کو دے دی ہے۔ اس کے پاس کھیلنے کے کھلونے نہیں ہیں نا، اور پھر جب سے اس کے ابو کا انتقال ہو گیا ہے، تب سے وہ کتنا اُداس رہتا ہے۔ اس کی امی بڑی مشکل سے ان کا خرچ چلاتی ہیں۔" توصیف نے اُداسی سے جواب دیا۔

یہ سنتے ہی شایان کا منہ بن گیا۔ اس نے کہا: "اور جیسے تم نے نیکی کرنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔ آئندہ میرے کھلونوں کو ہاتھ بھی لگایا تو اچھا نہ ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد ابو نے شایان کو اکیلے بیٹھے دیکھا تو اس کے قریب گئے اور کہا:

"بیٹا! تم اپنے بھائی کے ساتھ پیار و محبت سے رہا کرو۔ اس سے نرمی سے بات کیا کرو، کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔ تمھارا پیار ہر دم اس کے دل میں رہے گا۔ اس نے

وقاص کو کھلونا دے کر نیکی کی ہے اور نیکی ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ یہ کھلونے تو ایک روز ٹوٹ جائیں گے، مگر توصیف نے وقاص کو کھلونے دے کر جو نیکی کی ہے، اس نیکی کی خوشبو تمہارے اردگرد رہے گی۔''

شایان نے بے دلی سے ان کی باتیں سنیں، کندھے اچکائے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ شایان اور توصیف دونوں بھائی تھے مگر ان کی عادتیں یکسر مختلف تھیں۔ توصیف ایک رحم دل لڑکا تھا۔ کسی کو مصیبت میں دیکھتا تو فوراً اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ جب کہ شایان صرف اپنے کام سے کام رکھتا۔ اس نے اپنے سارے کھلونے اب تک سنبھال کر رکھے تھے جو اَب پڑے پڑے پرانے ہو گئے تھے مگر اس کے باوجود توصیف کو ذرا بھی ان سے کھیلنے نہیں دیتا تھا۔ اس نے اپنے دوست بھی گنے چنے بنا رکھے تھے جو اس سے اکثر روٹھے رہتے، کیونکہ ان کے ساتھ بھی اس کا رویہ ٹھیک نہ تھا۔ وہ دوستوں کو بھی اپنے کھلونوں سے کھیلنے نہیں دیتا تھا۔ ان کے ابو اپنی ملازمت کے سلسلے میں جاپان میں مقیم تھے۔ وہ کھانا بنانے کی ایک فیکٹری میں ملازمت کرتے تھے، جس سے ان کی اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ شایان اور توصیف کی امی کا کچھ عرصے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ وقاص کے ابو بھی ملازمت کے سلسلے میں یہاں آئے تھے، ابو کے اچانک انتقال کے بعد وقاص کے گھر والوں کی گزر بسر مشکل سے ہو رہی تھی۔ توصیف ایک رحم دل لڑکا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ ان کی کسی طرح سے بھی مدد کر دے۔ اس نے کھلونے بھی اسی مقصد کے تحت دیے تھے۔ توصیف کو شایان کی باتوں سے کافی دکھ پہنچا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ شایان کی کوئی چیز نہیں اُٹھائے گا۔

شایان باہر نکلا تو اس نے وقاص کو ایک طرف بیٹھے دیکھا۔ وہ توصیف کی موٹر کی چابی گھما رہا تھا۔ وہ فوراً اس کے قریب گیا اور بولا: ''خود تو کھلونے خرید نہیں سکتے اور میرے بھائی کی موٹر سے کھیل رہے ہو۔''

وقاص نے یہ سنا تو حیران ہو کر کہا: ''توصیف نے ہی مجھے یہ موٹر دی تھی۔ میں نے اس سے مانگی نہیں تھی۔''

''تو تم اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہوگے، تاکہ وہ تمھیں یہ موٹر دے دے۔'' شایان کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ وقاص یہ سن کر بے بسی سے موٹر کو دیکھنے لگا جو اسے توصیف نے تحفے کے طور پر دی تھی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ موٹر کی وجہ سے شایان کو غصہ آجائے گا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اسی وقت توصیف آتا دکھائی دیا۔ وہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ شایان کا چہرہ غصے سے سرخ ہے، وہ چلّایا: ''اپنی موٹر اس سے لو اور آیندہ میرے کھلونوں کو ہاتھ نہ لگانا۔''

شایان غصے سے آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ توصیف نے شایان کو جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ شایان ان دونوں کو گھورتا ہوا چلا گیا۔

شایان نے وقاص کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ توصیف نے محسوس کیا کہ وہ اس کی باتوں سے رنجیدہ ہے۔ وہ اس کے قریب آیا: ''شایان کی باتوں کا بُرا نہ ماننا۔ اس نے غصے میں آکر یہ باتیں کہہ دی ہیں ورنہ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔''

''توصیف! تمھارا شکریہ کہ تم نے مجھے موٹر دی۔ مگر مجھے

اندازہ ہوا ہے کہ تمھارے پاس بھی کھیلنے کو کچھ نہیں۔ تم اپنی موٹر رکھ لو۔‘‘

توصیف انکار کرتا رہا، مگر وقاص بولا: ’’اگر مجھے کھیلنا ہوگا تو میں تمھارے پاس آجاؤں گا۔‘‘

توصیف جانتا تھا کہ اب وہ کبھی یہ موٹر نہیں لے گا کیونکہ جاپانیوں کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے بھی خودداری سیکھ لی تھی۔

ایک دن شایان اور توصیف کے ابو دونوں کو تفریح کے لیے دوسرے شہر لے گئے۔ وہاں اچانک انھوں نے خبر سنی کہ ان کے شہر میں زلزلہ آگیا ہے، جس سے ان کے شہر کا کافی حصہ تباہ اور ہزاروں لوگ مر چکے ہیں۔ تینوں یہ خبر سن کر خاصے پریشان ہوئے۔ وہ فوراً واپس روانہ ہوگئے۔ شہر پہنچ کر انھوں نے جو شہر کی حالت دیکھی تو آنسو نکل آئے۔ بھرا پُرا شہر اب ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ ان کا گھر بھی ایک طرف سے جھک گیا تھا اور کسی بھی وقت گر سکتا تھا۔ گھر کی ساری چیزیں بھی ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر ابو کے آنسو نکل آئے۔ ابو کو اُداس دیکھ کر توصیف ان کے قریب گیا، اس نے پُرعزم لہجے میں کہا: ’’ابو! فکر نہ کریں۔ ہم بہت جلد اپنا نیا گھر بنا کر لیں گے۔‘‘ ابو نے اسے سینے سے لگا لیا۔

تھوڑی دیر میں ان کے پاس رضا کار پہنچ گئے اور انھیں امدادی کیمپ لے گئے۔

گھر کی چیزوں کے ساتھ شایان کے کھلونے بھی ٹوٹ

پھوٹ گئے تھے۔اسے اپنے کھلونوں کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ وہ دن رات انھیں یاد کر کے روتا رہتا۔توصیف نے جب یہ دیکھا تو اس کے پاس آیا اور بولا: ''بھائی! مت روؤ، کھلونے دوبارہ آجائیں گے۔ہم جلد ہی دوبارہ اپنے گھر جائیں گے اور تمھارے کھلونے دوبارہ لے لیں گے۔''

''وہ کھلونے مجھے بہت عزیز تھے۔تم میرا نقصان پورا نہیں کر سکتے تو مجھے دلاسا بھی مت دو۔تمھارے پاس تو کھلونے بھی نہیں ہیں نا، تو تمھیں میرے دکھ کا احساس کیسے ہوگا؟''

ابو انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔وہ شایان کے قریب آئے: ''بیٹا! تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارا گھر کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔ ساری چیزیں بھی ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ یہ چیزیں ایک روز ختم ہو جائیں گی۔صرف محبت اور نیکیاں باقی رہیں گی۔ خیر تم فکر مت کرو، ہم یہ چیزیں دوبارہ لے لیں گے۔'' مگر شایان کو ان کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی اور وہ بدستور روتا رہا۔

شایان کو کھلونے کھونے کا بہت دکھ تھا۔اپنے بھائی کو پریشان دیکھ کر توصیف بھی اُداس ہو گیا۔ایک روز وہ سو کر اُٹھا تو اس نے دیکھا کہ شایان بخار میں مبتلا ہے۔

توصیف نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کا دل تڑپ اُٹھا۔ وہ اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتا تھا۔اس نے سوچا کہ وہ اپنے بھائی کے لیے کسی نہ کسی طرح سے کھلونے ضرور لے گا، چاہے اس کے لیے اُسے مزدوری ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے ابو بہت پریشان ہیں، لہٰذا اسے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے گھر سے باہر نکلا۔

اس نے دیکھا کہ ایک تنظیم کے کچھ رضا کار ایک رجسٹر میں بچوں کے نام لکھنے کے بعد ان میں چاکلیٹ اور کھلونے بانٹ رہے ہیں۔اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

کیمپ کے سارے بچے ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔وہ بھی کھڑا ہو گیا۔اُس نے دیکھا کہ وقاص کھلونے لے کر جا رہا ہے، اُس نے اُسے آواز دینا مناسب نہ سمجھا۔ اپنا نمبر آتے آتے توصیف خاصا تھک چکا تھا۔اسے اونگھ آنے لگی تھی کہ رضا کار کی آواز سن کر چونکا۔ جو بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا: ''کیا ہوا ننھے شہزادے؟ چاکلیٹ نہیں چاہئیں۔''

''چاکلیٹ!'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں، چاکلیٹ کافی مزیدار ہیں اور تم کھاؤ گے، کیوں کہ تم جیسے ننھے شہزادوں کے لیے ہی لائے ہیں، تاکہ تم کھاؤ اور خوش رہو۔''

''نہیں، مجھے چاکلیٹ تو نہیں چاہیے، مجھے تو کھلونے چاہئیں اپنے بھائی کے لیے، تاکہ وہ ان سے کھیل سکے، ورنہ وہ اور بیمار ہو جائے گا۔'' توصیف کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

''اوہ...... کھلونے۔'' رضا کار چونکا: ''وہ تو ختم ہو گئے اور اب نئے کھلونے آتے آتے بھی خاصا وقت لگ جائے گا۔'' توصیف کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر رضا کار بھی پریشان ہو گیا تھا۔توصیف نے بے بسی سے رضا کار کی طرف دیکھا اور چاکلیٹ لیے بغیر چل دیا۔

توصیف اب امدادی کیمپ سے باہر نکل آیا تھا۔اس کا ذہن کھلونوں میں اُلجھا ہوا تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کسی

طرح سے کھلونے مل جائیں تا کہ وہ اپنے بھائی کو پھر سے خوش دیکھ سکے۔اسی دُھن میں وہ آگے بڑھ رہا تھا کہ اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بَل گر پڑا۔

ٹھوکر لگنے سے توصیف کی پیشانی سے خون نکل آیا۔ گرتے ہی اس نے ایک عورت کی آواز سنی: ''اے لڑکے! ذرا سنبھل کے۔'' وہ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔

عورت اس کے نزدیک پہنچ کر بولی: ''ارے تمھارا تو خون بھی نکل رہا ہے۔''

عورت اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی: ''تم آؤ میرے ساتھ، میں تمھارے پٹی باندھ دیتی ہوں۔''

وہ اسے اپنے گھر لے گئی۔اسے بٹھا کر وہ اس کی پٹی کرنے لگی اور مہربان لہجے میں بولی: ''تمھیں پتا ہے میں ایک ڈاکٹر بھی ہوں۔'' توصیف نے سر ہلا دیا۔وہ بڑے غور سے اس بڑے گھر کو دیکھ رہا تھا، جہاں سناٹے کا راج تھا۔

''سب گھر والے کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

یہ سنتے ہی اس عورت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے: ''میرے سب گھر والے زلزلے میں مر چکے ہیں۔''

توصیف کو یہ سنتے ہی جھٹکا لگا۔اس نے سوچا کہ اس نے یہ سوال پوچھ کر غلطی کی ہے۔

توصیف نے کہا: ''اوہ، مجھے بہت افسوس ہے ماں جی! آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔''

اس عورت نے اسے گلے لگا لیا۔عورت کی بات سنتے ہی توصیف کو اب اپنا دکھ بالکل محسوس نہ ہوا۔پٹی کرنے کے بعد عورت توصیف کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے آئی۔کچھ دیر بعد توصیف جانے لگا تو وہ عورت بولی: ''اچھا ایک منٹ ٹھہرو۔'' یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں گئی۔واپس پلٹی تو اس کے ہاتھ میں کئی کھلونے تھے۔

''میرا بیٹا ان کھلونوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔اب ان کے ساتھ کھیلنے والا کوئی نہیں۔انھیں تم رکھ لو۔'' توصیف کی آنکھیں یہ سن کر خوشی سے چمک اُٹھیں۔اس نے مہربان عورت کا شکریہ ادا کیا اور جلد آنے کے لیے کہہ کر باہر نکل گیا۔

اب وہ جلدی جلدی اپنے کیمپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب وہ اپنے کیمپ پہنچا تو وہاں اس نے وقاص کو دیکھا جو شایان سے کہہ رہا تھا: ''شایان! یہ کھلونے رکھ لو۔مجھے اب کھلونوں سے کھیلنے میں مزا نہیں آتا۔''

توصیف یہ سن کر چونکا۔وہ جانتا تھا کہ وقاص ان کھلونوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے بے چین رہتا تھا، مگر اس نے بہت بڑی قربانی دی تھی۔اسے کسی طرح سے معلوم ہو گیا تھا کہ شایان کھلونوں کے نہ ہونے سے بیمار ہوا ہے۔توصیف بھی اندر داخل ہو گیا۔اس نے ہاتھ میں پکڑے کھلونے شایان کی طرف بڑھا دیے اور کہا: ''بھائی! یہ کھلونے بھی رکھ لو۔''

شایان حیرت سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔اب اسے اپنے رویے پر سخت افسوس ہو رہا تھا۔وہ فوراً اُٹھ بیٹھا: ''تم دونوں مجھے معاف کردو۔ہم تینوں مل کر ان کھلونوں سے کھیلیں گے۔'' شایان پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔وہ جان گیا تھا کہ صرف نیکی زندہ رہتی ہے اور باقی ساری چیزیں کبھی نہ کبھی ختم ہو جاتی ہیں۔

■

Ghulam Mohiuddin Turk
1727/657, Turk Colony
Gali No: 2, Baldia Town
Karachi (Pakistan)

تسنیم فاطمہ

ڈاکٹر راجو

راجو جس کالونی میں رہتا تھا اس میں اس کے ہم عمر بہت سے بچے رہتے تھے مگر راجو کی کسی سے دوستی نہیں تھی۔ راجو پیدائشی طور پر ایک پیر سے معذور تھا، یہی نہیں اس کی ایک آنکھ بھی خراب تھی اور رنگ بھی بہت کالا تھا۔ اس لیے بچے اس کو چھیڑتے تھے، کوئی لنگڑا کہتا، کوئی کانا، تو کوئی کلو کہتا تھا۔ راجو جب بھی شام کو کھیلنے کے لیے پارک میں جاتا تو بچے اس کو بہت پریشان کرتے اور وہ روتا ہوا گھر واپس آجاتا۔

راجو تھوڑا بڑا ہوا تو اس کو اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ اسکول میں بھی اس کے ساتھیوں کا اس کے ساتھ وہی رویہ تھا۔ راجو اپنے دوسرے صحت مند اور خوبصورت ساتھیوں کو دیکھتا اور ان کی باتیں سنتا تو بہت روتا تھا۔ دھیرے دھیرے راجو احساس کمتری کا شکار ہوگیا۔

ایک دن انٹرول میں سب بچے کھیل رہے تھے۔ راجو دور بیٹھا ان کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا، وہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہو پا رہا تھا۔ انگلش کی ٹیچر روزی نے جو اس کو خاموش بیٹھے دیکھا تو اس کو اپنے پاس بلایا۔

''راجو! کیا بات ہے تم کھیل نہیں رہے ہو'' ٹیچر نے سوال کیا۔

''میم! سب میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ کوئی مجھے اپنے ساتھ کھیلنے نہیں دیتا'' راجو بولتے بولتے رونے لگا۔ میم نے پہلے اسے چپ کرایا، اسے پانی پلایا پھر اس سے کہا کہ وہ منھ دھوکر آئے۔ جب وہ میم کے پاس واپس آیا تو انھوں نے اسے سمجھایا۔

''دیکھو راجو! شکل وصورت اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ کوئی کالا ہے تو کیا ہوا، آخر اسے بھی تو اللہ ہی نے بنایا ہے۔ اللہ نے جسے جیسا بنا دیا وہ ویسا بن گیا۔ ایسے میں خوبصورتی پر اترانا اور بدصورتی پر شرمانا دونوں ہی غلط ہیں۔ پھر یہ کہ اللہ نے مکمل کسی کو نہیں بنایا ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے۔ تمھاری برائیاں اور کمیاں سب کو نظر آتی ہیں لیکن تمھارے اندر چھپی خوبیوں کا تمھیں خود احساس نہیں ہے۔ پڑھائی پر خوب توجہ دو بھول جاؤ کہ تم میں کوئی کمی ہے۔ کوئی تمھیں کچھ کہے تو اس پر دھیان ہی نہ دو۔''

''میم کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا سب میرا مذاق اڑاتے ہیں میں کیسے ان کی باتوں پر دھیان نہ دوں'' راجو بولا۔

’’یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ تم ایک دوبار کر کے دیکھو تم دھیان نہیں دو گے تو کوئی تمھیں کچھ کہے گا بھی نہیں۔ جیسے سب تم کو نظر انداز کرتے ہیں ایسے ہی تم سب کو نظر انداز کر کے دیکھو۔‘‘

’’ٹھیک ہے میم اب میں ایسا ہی کروں گا۔‘‘

’’ایک بات اور اپنے اندر کی خوبیوں کو باہر لانے کی کوشش کرو۔ پڑھائی پر دھیان دو۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لو۔ بھول جاؤ کہ تم میں کوئی کمی ہے‘‘ ٹیچر روزی نے مزید سمجھایا۔

’’ٹھیک ہے میم آپ کا بہت بہت شکریہ میں انشاء اللہ آپ کی باتوں پر عمل کروں گا‘‘ راجو نے ایک عزم سے جواب دیا۔

اس دن سے راجو کی زندگی ہی بدل گئی۔ اس نے سارا دھیان اپنی پڑھائی پر لگا دیا۔ اور نتیجہ فوراً سامنے آ گیا۔ یونٹ ٹیسٹ میں اس کے کلاس میں سب سے زیادہ نمبر آئے۔ انہی دنوں کلاس کی سالانہ تقریبات کا آغاز ہو گیا۔ مختلف مقابلے ہونے لگے۔ راجو نے مضمون نگاری اور تقریری مقابلے میں حصہ لیا اور دونوں میں ہی اول آیا۔ پھر تو راجو نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ سالانہ امتحان میں اس نے سارے ہی سیکشنز میں ٹاپ کیا۔

اب تو ہر ٹیچر کی زبان پر راجو کا نام تھا۔ وہ بچے جو کبھی اسے چڑھاتے تھے اب پڑھائی میں مشکل ہونے پر اس کے پاس آتے تھے۔ راجو سب سے محبت سے بات کرتا تھا۔ اور سب کی مدد کرتا تھا۔ اب بچوں نے راجو کو چڑھانا چھوڑ دیا تھا اور اگر کوئی کچھ کہتا بھی تھا تو راجو دھیان نہیں دیتا تھا۔

ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے آخر راجو ڈاکٹر بن گیا۔ اس نے اپنی کالونی میں ہی کلینک کھول لیا۔ راجو نے سوچا تھا کہ کلینک کھول کر مریضوں کی خدمت کرے گا مگر یہ کیا کہ اس کے پاس کوئی مریض ہی نہیں آتا تھا۔ سب محلے والے کہتے تھے ارے کلو راجو ڈاکٹر بن گیا ہے یہ بھلا کیا علاج کرے گا۔ شروع میں تو راجو بہت پریشان ہوا۔ پھر اسے ٹیچر روزی کی باتیں یاد آئیں اور وہ مطمئن ہو گیا۔

راجو نے مفت طبی کیمپ لگائے جس سے آس پاس کے لوگ اس سے واقف ہو گئے اور مریض آنے لگے۔ مگر کالونی کے لوگ اب بھی اس سے دور بھاگتے تھے۔ ایک رات پڑوسی ورما جی کے بیٹے کے پیٹ میں شدت کا درد اٹھا۔ اس وقت کوئی بھی ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔ لڑکا درد سے تڑپ رہا تھا۔ آخر مجبوری میں ورما جی راجو کے پاس آئے۔ راجو اسی وقت ان کے گھر گیا اور لڑکے کو انجکشن لگایا۔ اس کو ذرا دیر میں ہی آرام ہو گیا اور وہ سو گیا۔ ورما جی نے راجو کا شکریہ ادا کیا اور فیس پوچھی۔

’’ارے انکل کیسی باتیں کرتے ہیں، گھر میں بھی کوئی پیسے لیتا ہے‘‘ راجو نے انکار کر دیا۔

اس وقت راجو چلا آیا، پھر صبح ہونے پر دوبارہ لڑکے کی خیریت لی۔ اس کے اخلاق کا ورما جی پر بہت اثر پڑا۔ اب وہ اپنا اور اپنے گھر والوں کا علاج راجو سے کرانے لگے۔ دھیرے دھیرے اسی طرح پوری کالونی میں راجو کے چرچے ہونے لگے اور اس کے کلینک پر بھیڑ لگنے لگی۔ اب راجو کو لوگ عزت سے ڈاکٹر راجو کہتے تھے اور اس کی خامیوں کو سب بھول چکے تھے۔

■

Dr. Tasneem Fatima
C-18-A, Shahab Villa
Begumganj
Barabanki - (UP)

زیب النساء حیا

ایک پری کی مدد

رحیمن نام کی ایک بوڑھی عورت تھی۔ وہ بہت غریب تھی۔ سہارے کے نام پر اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو شہر میں نوکری کرتا تھا اور رحیمن آپا کو گزارے کے لیے اتنے پیسے بھیج ہی دیا کرتا تھا جس سے ان کا گزر بسر آسانی سے ہو جاتا۔

اس دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ رحیمن آپا نے سوچا، کیوں نہ ذرا سا دالان میں بیٹھ کر رم جھم فواروں کا مزا لیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ جیسے ہی کمرے سے باہر نکلی، ڈر کے مارے ان کے منہ سے چیخ نکل گئی، دیکھا سامنے ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ انھوں نے سانپ سے کہا، چل بھاگ یہاں سے، پھر کچھ سوچ کر بولی، اچھا اگر تو یہاں سے جانا نہیں چاہتا تو کوئی بات نہیں، چل تھوڑی دیر اور بیٹھا رہ، تب تک میں تیرے کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔ ایسا انھوں نے اس لیے کہا، کیونکہ وہ دل ہی دل میں جانتی تھیں اگر اس نے سانپ کو مارا تو یقیناً وہ کاٹ لے گا۔ یہ سوچتی ہوئی وہ بارچی خانہ میں پہنچیں اور ایک کٹوری دودھ لے کر سانپ کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں، دیکھو میں نے تمھیں صرف یہاں سے جانے کے لیے کہا، چاہتی تو تمھیں مار بھی سکتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ جانوروں پر بھی رحم کرنا چاہیے، اس لیے اب تم یہ دودھ پیو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ رحیمن آپا کی بات سنتے ہی سانپ بولا، جو آپ مجھے سمجھ رہی ہیں، وہ میں نہیں ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ایک پری ہوں اور پرستان سے اس زمین پر آئی تھی کچھ اچھی باتیں جاننے۔

مگر بدقسمتی سے میری جادو کی چھڑی گم ہو گئی اور میں سانپ بنی رہ گئی۔ پری کی بات سن کر رحیمن آپا بولیں، میں کچھ

سمجھی نہیں، اس پر پری روتی ہوئی بولی، کل رات پرستان میں پریوں کی رانی نے ہم سب پریوں کو حکم دیا کہ جاؤ زمین پر اور بہت ہی اچھی باتیں معلوم کر کے ہمیں بتاؤ۔ جو پری سب سے پہلے آ کر بتائے گی، اسے انعام ملے گا۔ بس پھر کیا تھا، اتنا سنتے ہی ہم پریوں میں ہوڑ لگ گئی، پہلے کون پہنچے لوگوں میں۔ میں نے سوچا کیوں نہ روپ بدل کر ریگستانی علاقے سے جلدی کسی ایسی بستی میں پہنچا جائے جہاں مجھے ساری جانکاری مل سکے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے جادو کی چھڑی اٹھائی اور جیسے ہی یہاں پہنچی، اپنا روپ بدلا تو سانپ بنتے ہی مجھے یاد نہ رہا، میری چھڑی وہیں ریت پر پڑی رہ گئی۔ میں تو سانپ بن ہی چکی تھی، اب کیا کرتی جب چھڑی ہی گم ہو چکی تھی۔ میں گھبرا گئی، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہاں سے چلی تو سب سے پہلا گھر آپ کا نظر آیا، سو یہیں چلی آئی۔ یہاں سے بھی جانے کے لیے سوچ رہی تھی تبھی آپ کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ یہ کہتے ہوئے پری رو پڑی۔ پری کی بات سن کر رحیمن آپا بولی، رب جو بھی کرتا ہے بھلے کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے تم دکھی مت ہو۔ ویسے بھی میرے گھر سے ریتیلا میدان کون سا دور ہے۔ چلو میں چلتی ہوں تمھاری چھڑی ڈھونڈنے۔ یہ کہتی ہوئی رحیمن آپا سانپ کے ساتھ ریت کے ٹیلے کے پاس پہنچیں اور چاروں طرف جادو کی چھڑی ڈھونڈنے لگیں۔ کافی دیر ہو گئی تو تھک کر وہیں بیٹھ گئیں۔ تبھی ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا، اور بکھری ریت چاروں طرف ہوا کے ساتھ اڑنے لگی۔ ریت کے اڑتے ہی رحیمن آپا کی نظر نیچے زمین پر پڑی، کیا دیکھا وہی جادو کی چھڑی ریت میں دبی نظر آ رہی ہے۔ رحیمن آپا خوشی سے چلائیں۔

پری سے بولیں:

ڈھونڈنے سے رب بھی مل جاتا ہے\
تو پھر کیسا شکوہ\
کھویا تھا جو کل\
وہ مل گیا نہ آج\
اس لیے بس اب کہوں گی\
تم سے ایک چھوٹی سی بات\
جب بھی پکارو گی اسے\
تو یقیناً وہ آ جائے گا\
تمھارے قریب!

رحیمن آپا کی بات سن کر بولی، ہاں یہی سچ ہے اور پھر اس طرح رحیمن آپا کی مدد سے پری اپنی اصلی شکل میں آ گئی۔ پری بہت خوش تھی، اب اس کے الوداع کہنے کا وقت تھا، اس نے رحیمن آپا کو شکریہ کہا اور جیسے ہی جانے کے لیے مڑی، اچانک رحیمن آپا بول اٹھیں، کیا تم بھول گئیں تم کس لیے پرستان سے آئی تھیں؟ ان کی بات سن کر پری چونک پڑی، بولی، ارے ہاں مجھے تو اپنی پریشانی میں کچھ یاد ہی نہیں رہا کہ رانی نے کیا حکم دیا تھا۔ پری کی بات سن کر رحیمن آپا ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولیں، رب کریم نے اپنی کتاب قرآن پاک میں فرمایا ہے:

''اپنے پالن ہار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس کے سامنے سجدہ کرو اور اس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا بالکل یقینی ہے۔''

■

Zaibunnisa Haya
A-1, Fourth Floor,
M M Apartment, Okhla Vihar
New Delhi - 110025

پہلی قسط

انصاف

(ڈرامہ)

مصنف: محسن خان

مصور: فجرالدین

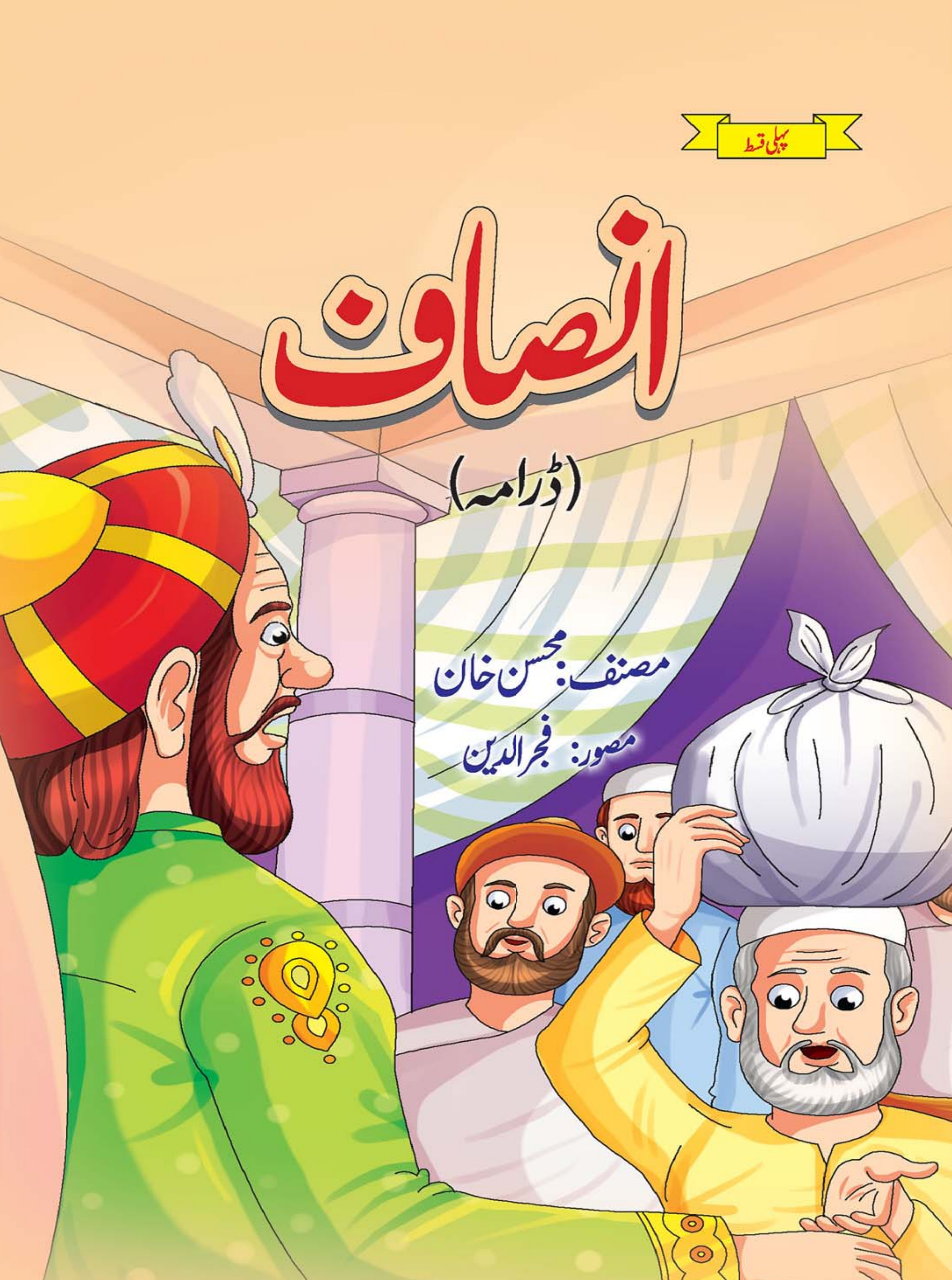

کردار

- ہادی (ایک مسافر)
- امیر علی (دوسرا آدمی)
- انصار (ایک نیک اور ایماندار آدمی)
- مہاراجہ
- داروغہ
- درباری
- سپاہی

پہلا منظر

(شام کا وقت ------ ہادی اور امیر علی تیز تیز چلتے ہوئے جا رہے ہیں۔ ہادی کے سر پر بڑی سی گٹھری رکھی ہے)

ہادی: ابھی ہم لوگوں کو بہت دُور جانا ہے۔

امیر علی: معلوم ہوتا ہے رات ہو جائے گی اور ہم لوگوں کو کسی سرائے میں رُکنا پڑے گا۔

ہادی: دُور دُور تک کوئی سرائے نظر نہیں آتی ہم لوگ رات میں کہاں رُکیں گے (ٹھٹھک کر) وہ دیکھو ایک آدمی نظر آرہا ہے۔ اس سے سرائے کا پتہ معلوم ہو جائے گا۔

امیر علی: ہاں ۔ شاید وہ اسی طرف آرہا ہے۔ (انصار دونوں کے قریب آتا ہے)

ہادی و امیر علی: السّلام علیکم اجنبی!

انصار: وعلیکم السّلام۔ آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں اور اب کہاں جانے کا اِرادہ ہے۔

ہادی: ہم لوگ دُور دیس سے آ رہے ہیں اور اب اپنے وطن سفید نگر جا رہے ہیں۔

انصار: خدا آپ لوگوں کو پریشانی سے محفوظ رکھے۔

ہادی: نیک خواہشات کے لیے آپ کا شکریہ!

انصار: دوسروں کے لیے بھلائی کی باتیں سوچنا ہر انسان کا فرض ہے۔

ہادی: شام ہو چکی ہے اور ہم لوگوں کو دور جانا ہے، آپ مہربانی کر کے کسی سرائے کا پتہ بتا دیں تا کہ ہم لوگ رات کو وہاں ٹھہر جائیں۔

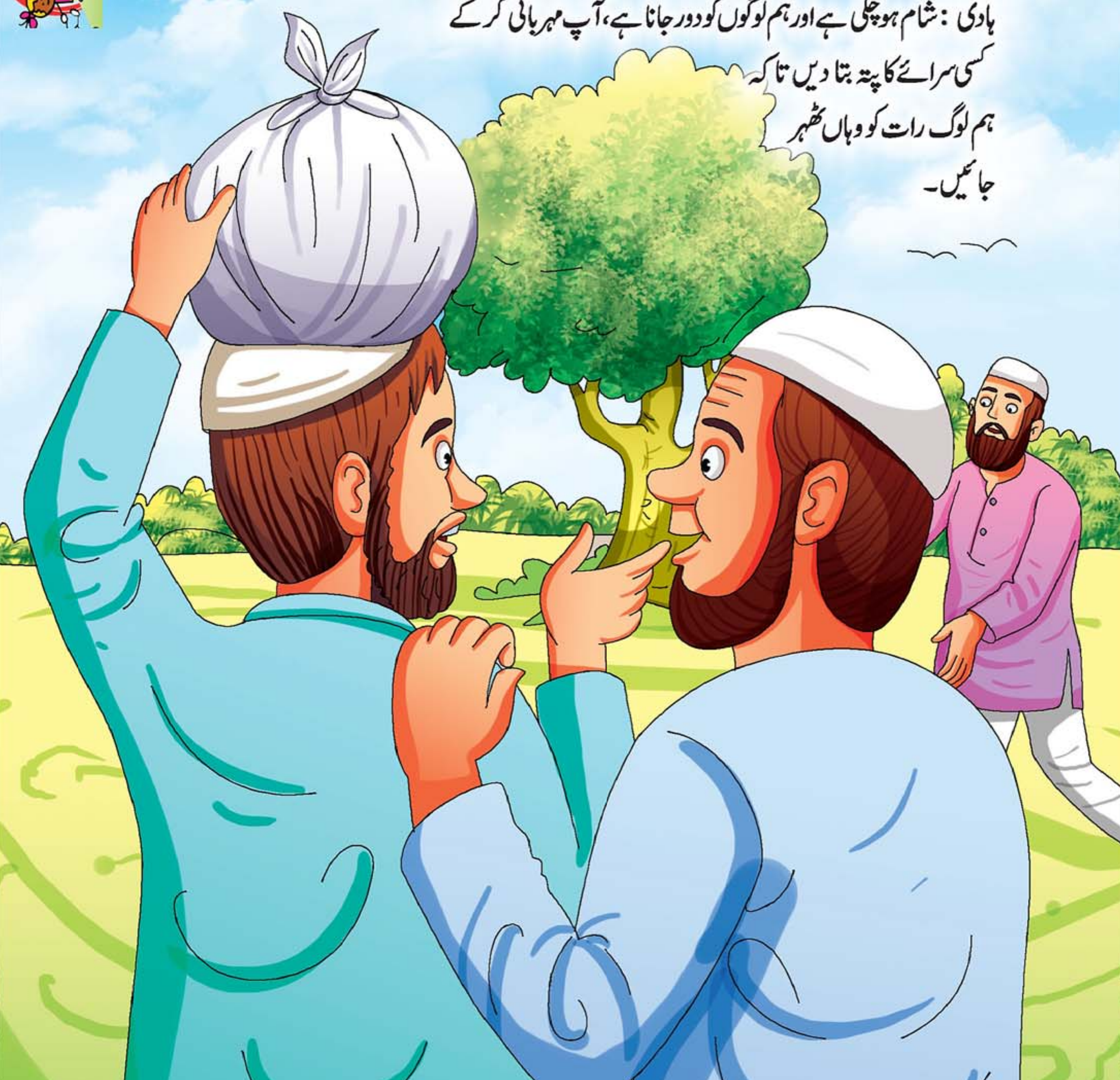

انصار: آپ لوگوں کا یہ فیصلہ بالکل ٹھیک ہے، چونکہ ابھی آپ لوگوں کو ایک ایسی بستی سے گزرنا ہے جو لٹیروں کی بستی کہلاتی ہے اس بستی میں بڑے خطرناک لٹیرے رہتے ہیں۔ اس لیے سرائے میں ٹھہر جایئے۔ بلکہ میرے گھر چلیے میرا گھر یہاں سے دور نہیں ہے۔

امیر علی: آپ کی محبت سر آنکھوں پر، لیکن ہم لوگ سرائے میں ہی ٹھہرنا چاہتے ہیں۔

انصار: ٹھیک ہے ، میں آپ کو سرائے تک پہنچا دیتا ہوں۔ آیئے میرے ساتھ۔

(ہادی اور امیر علی انصار کے ساتھ جاتے ہیں ، وہ دونوں کو ایک سرائے میں پہنچا دیتا ہے)

امیر علی: یہاں کسی چور ڈاکو کا خطرہ تو نہیں؟

انصار: یہ انصاف نگر کی سرائے ہے ، یہاں چور ڈاکو کہاں ----یہاں کا راجہ بڑا نیک دل اور انصاف پسند ہے۔ اگر آپ

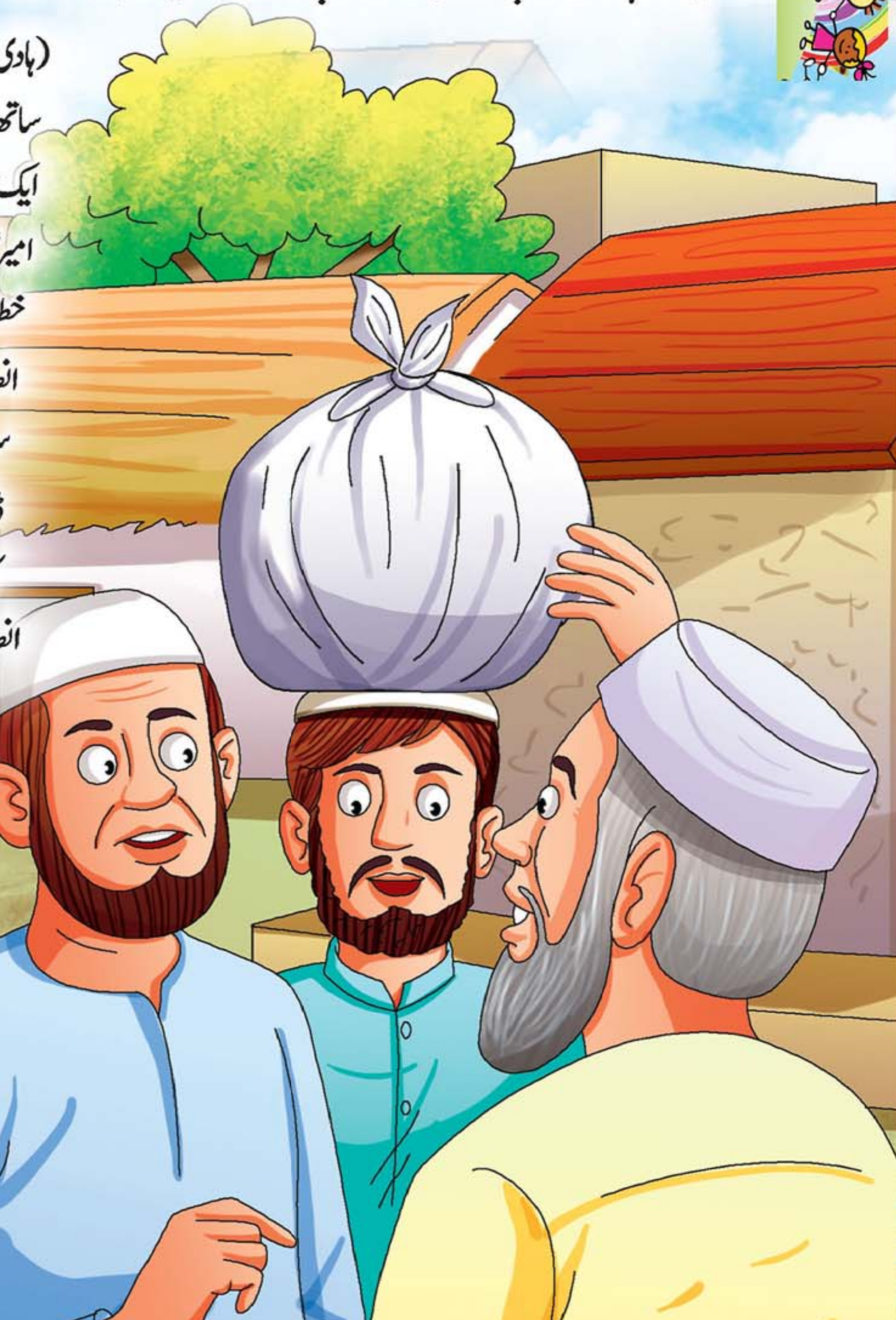

کی ایک دمڑی کا بھی نقصان ہوگا تو راجہ اس کے بدلے میں آپ کو سیکڑوں اشرفیاں دے دے گا۔

ہادی: سرائے میں پہنچانے کا بیحد شکریہ۔

انصار : کوئی بات نہیں ۔ مسافروں کا خیال رکھنا ہر انسان کا فرض ہے۔ چونکہ یہ سرائے ہے اور یہاں آپ لوگوں کے آرام کے لیے بہت سی چیزیں موجود نہیں لہٰذا اگر رات میں کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو مجھے پکار لیجیے گا۔ میرا نام انصار ہے۔ اب میں جا رہا ہوں، شب بخیر۔

امیر علی و ہادی: شب بخیر۔

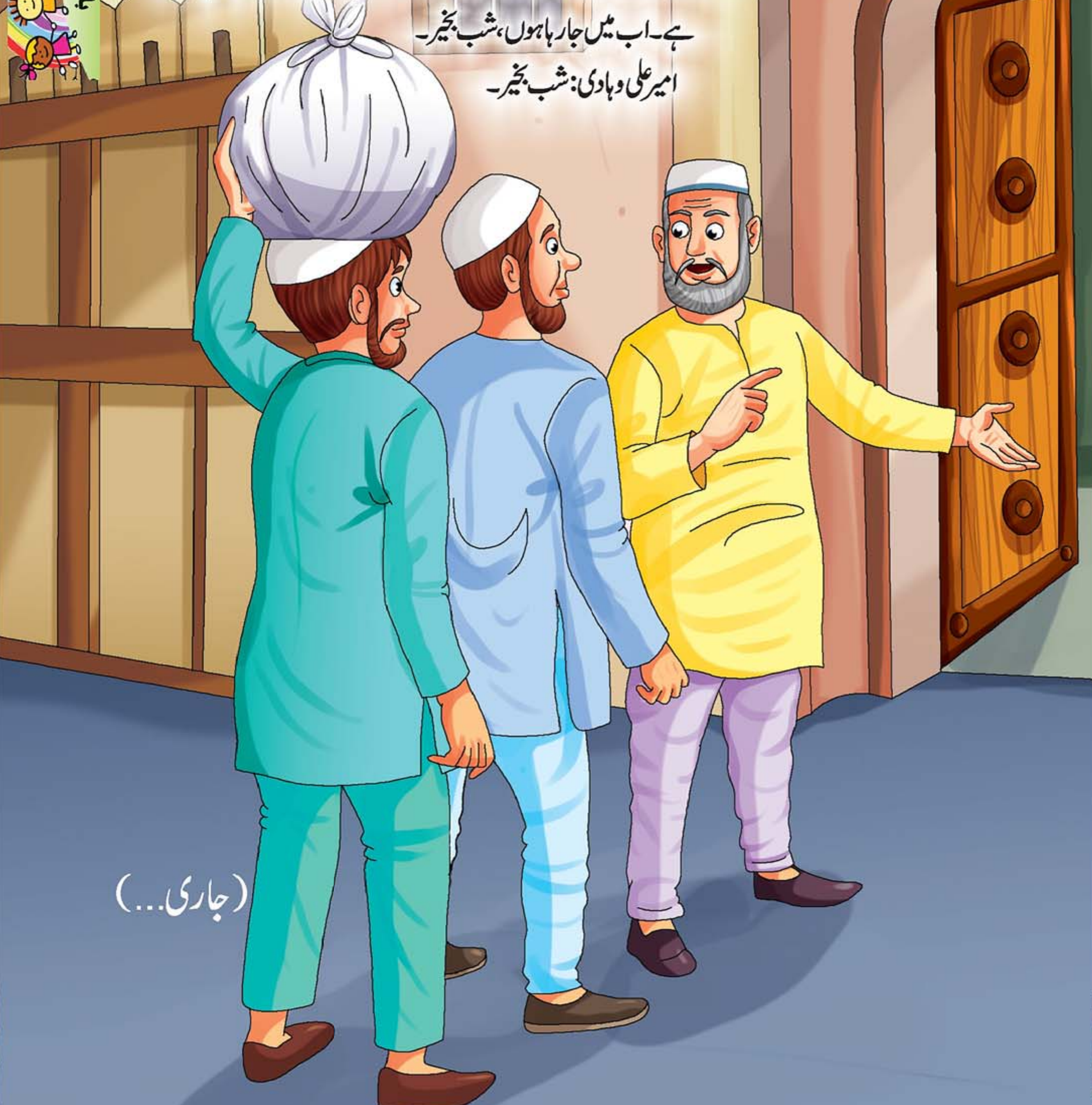

(جاری...)

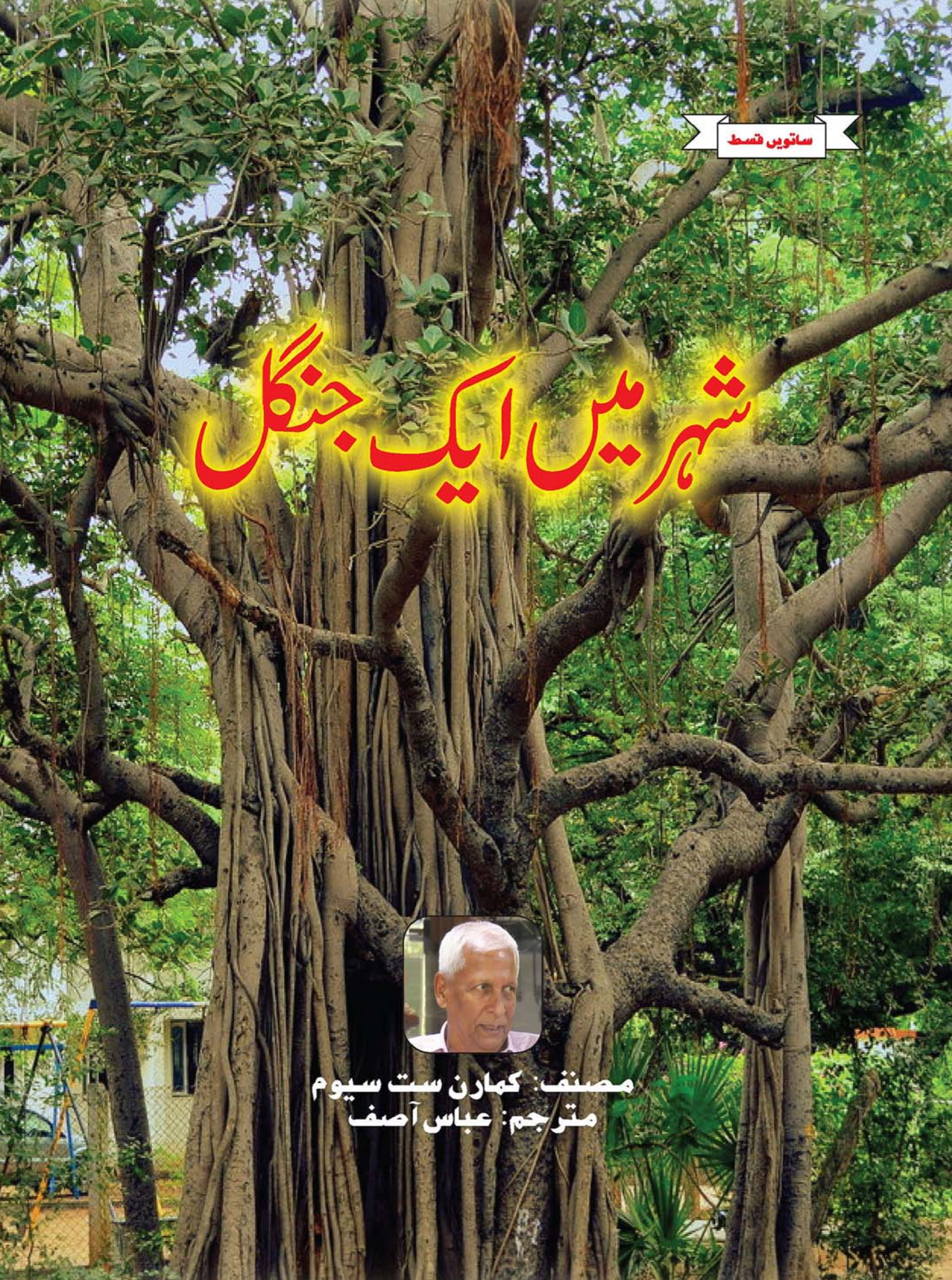

ساتویں قسط

شہر میں ایک جنگل

مصنف: کمارن ست سیوم
مترجم: عباس آصف

قسط وار

پیارے دوستو! آپ نے بچوں کی دنیا میں کئی اچھے اور مشہور ناولوں کو پڑھا ہے۔ 'شہر میں ایک جنگل' جنگلوں کی دنیا، پیڑ پودوں اور مختلف حشرات الارض کی معلومات پر مبنی ایک دلچسپ سلسلہ ہے جس کے مصنف کمارن ستیہ سیوم ہیں جو ماحولیات اور جنگلاتی زندگیوں پر لکھتے رہے ہیں۔ ان کی کتاب میرین میمل آف انڈیا بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔ انھوں نے 1990 میں یہ کتاب Forest in the City لکھی تھی۔ اِس کتاب کو ماحولیات پر بچوں کے لیے لکھی گئیں کتابوں پر پہلا انعام بھی دیا گیا تھا۔ کمارن ستیہ سیوم آئی آئی ٹی مدراس (چنئی) میں سات برسوں تک رہے تھے۔ آئی آئی ٹی اس وقت 600 ایکڑ سے بھی زیادہ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور زیادہ تر گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ کمارن ستیہ سیوم نے ان جنگلوں میں مختلف تجربات کیے تھے اور ان تجربات کو ہی کتابی شکل دی تھی جسے 'بچوں کی دنیا' میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اس عمارت سے آگے کی طرف ہم پیدل جاتے تھے۔ گرمیوں میں پانی کم ہوجاتا تھا اس لیے ہمیں سرکنڈوں کے کھیتوں تک پہنچنے میں وقت بہت لگتا تھا۔ یہ راستہ ہم دراڑیں پڑی ہوئی کالی زمین پر طے کرتے تھے۔ یہاں پر خشک گھاس ملتی تھی اور ہم Larks اور Pipils چڑیوں کی آوازیں سن سکتے تھے جو گھاس پر ہمارے آگے آگے چلتی پھرتی تھیں۔ ان کے عجیب و غریب رنگ تھے اور جیسے ہی یہ چڑیا گھاس پر اترتی تھی وہ جادوئی انداز سے نظروں سے غائب ہوجاتی تھی اور ہم بہت کوشش سے اسے دیکھ پاتے تھے۔ جب ہم سرکنڈوں کے علاقے میں پہنچتے تھے تو ہمارے پیروں کے نیچے زمین پانی سے تر ہوتی تھی۔ اگر ایک قدم بھی غلط پڑتا تو ہم دلدل میں گھٹنوں تک دھنس جاتے تھے۔ اس موقعے پر ہمیں ونکٹیش پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا جو اس علاقے کو بخوبی پہچانتا تھا۔ ہم اسے (Pig sense) یعنی سور جیسا احساس رکھنے والا ونکٹیش کہتے تھے کیونکہ ہم نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ دلدلی علاقے کے سور جنوبی امریکہ میں صحیح راستے کو سونگھ کر نکالنے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔

اس علاقے میں پہنچ کر ہم نے ایک خوبصورت تیتری نامی چڑیا کو دیکھا جسے ہماری آمد نے بے حد پھڑ پھڑا دیا اور وہ بے چین ہوگئی۔ وہ نرکلوں کے پاس رہتی تھی۔ اس کا سفید، بھورا اور کالا رنگ ہوتا ہے۔ یہ بہت محتاط چڑیا ہے اور آنے والے خطرے کو فوراً بھانپ لیتی ہے۔ جب بھی کوئی خطرہ سامنے ہوتا ہے تو یہ عجیب وغریب آوازیں نکالتی ہے جو 'Did he do it' اور 'Pity-to-do-it' سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ جب بھی خطرے کے وقت یہ اپنی آواز نکالتی تھی تو میں محسوس کرتا تھا کہ اس کا حشر اس لڑکے کی طرح نہ ہو جو بھیڑیا آیا بھیڑیا آیا چلاّتا تھا کیونکہ کوئی بھی چڑیا اس خطرے کی آواز کو سنجیدگی سے نہیں لیتی تھی۔

Lepwings چڑیا کے علاوہ اس علاقے میں چڑیوں کی کئی اور مختلف قسمیں تھیں۔ مثال کے طور پر Bee-caters تھیں جو ہرے اور نیلے رنگ کی چڑیاں تھیں اور سرکنڈوں کی چوٹیوں پر ٹیلوں کو تلاش کرتی پھرتی تھیں اور عجیب وغریب آوازیں نکالتی تھیں۔ اپنے شکار کو لے کر سرکنڈوں پر بیٹھ جاتی تھیں اور بیٹھ کر شکار کرتی تھیں۔ ان کے گھونسلے زمین کے گروہ میں ہوتے تھے۔ یہ کافی کھلے علاقوں میں ہوتی تھیں لیکن ان کا پتا لگانا بہت مشکل تھا۔

اس علاقے سے گزرنے کے بعد ہم خاص علاقے میں پہنچ گئے اور اب چلنا پھرنا آسان ہوگیا۔ یہ راستہ بھینسوں وغیرہ کے چلنے سے بند ہوا تھا۔ ان راستوں میں ہم آسانی سے گزر سکتے تھے اور چڑیوں کو آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔ چونکہ اب ہمیں محفوظ راستے کی فکر نہ تھی جیسا کہ Weaver چڑیا کی کالونی کو تلاش کرنے میں مجھے اندازہ ہوا۔ اس دلدل میں چڑیوں کا پتا لگانا آسان نہیں تھا۔ زیادہ تر چڑیاں شرمیلی تھیں اور جھاڑیوں کی کھڑ کھڑ سے انھیں ہماری آمد کا پتا چل جاتا تھا تاہم صبر کے ساتھ نظارہ کرنے سے ہمیں کافی چڑیا دیکھنے کو مل جاتی تھیں جو ہم کہیں اور نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم نے Rail خاندان کی چڑیوں کی بہت سی قسمیں دیکھیں جس میں جل مرغی اور لمبی دم والی Jacanas تھیں جو بلی کی طرح کی آواز نکالتی تھیں۔ پانی کی مرغیاں، بطخیں، بگلے، سارس اور کالے پروں والی چیلیں دلدلی علاقے میں گھومتی نظر آتی تھیں اور Marsh garriers نام کی چڑیا جو موسم بدلنے پر یورپ، منگولیا اور روس وغیرہ چلی جاتی تھیں۔

جاڑوں میں دلدلوں میں جانا ناممکن ہوجاتا تھا اور ہم سڑک کے پاس کی عمارت سے ان کا نظارہ کرتے تھے۔ جب

قسط وار

ہم عمارت کے باہر شام کو دلدلی علاقے کی طرف دیکھتے ہوتے تھے تو ہزاروں کی تعداد میں ابابیل اور دوسری چڑیاں آسمان میں اڑتی نظر آتی تھیں اور جھنڈ کے جھنڈ سرکنڈوں پر دیکھے جاسکتے تھے۔ دور دراز مقامات سے آئی ہوئی چڑیاں جن کی ہم شناخت بھی نہیں کر پاتے تھے، دلدلی علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتی نظر آتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہمیں سرکنڈوں کے درمیان بندوق چلنے کی آواز بھی آتی تھی۔ اچانک چڑیوں کی آوازیں نکلنے لگتی تھیں اور کہیں سے بھی دھوئیں کا ایک بادل دکھائی دے جاتا تھا جو گھاس کے اوپر ابھرتا تھا یہ گولیاں جیسی چلاتے تھے جو گھاس کے اندر چڑیوں کو نشانہ بناتے تھے۔ ان کو اس بات میں کوئی عار نہیں تھا کہ انھیں چڑیاں پکڑنے کے لیے گردن تک پہنچنے والے پانی سے گزرنا پڑے گا اور اپنی بندوقیں سروں سے اوپر رکھنی پڑیں گی۔ ان کی نظر میں ہر چڑیا ان کو ایک اچھی غذا فراہم کرتی تھی اور وہ لاتعداد چڑیوں کا شکار کرتے تھے۔ ہر قسم کی خوب صورت سے خوب صورت چڑیا کو شکار کرنے میں انھیں کوئی عار نہیں تھا۔ ایک دن میں نے انھیں ویلاچری گاؤں کے بازار میں بگلے بیچتے ہوئے دیکھا جنھیں انھوں نے لمبی گردنوں سے پکڑ رکھا تھا۔

جیسی دلدلی علاقوں میں غذا حاصل کرنے اور روپیہ کمانے کے لیے چڑیوں کا شکار کرتے تھے۔ بلڈنگ کے چوکیدار نے ہمیں بتایا یہ بہت سے اچھے خاندان کے شکاری بھی موسم گرما میں دلدلی علاقے میں شکار کرنے آتے ہیں جب کہ دلدلی علاقہ دلدل سے بھرا ہوتا ہے اور لوگ شکار کی خاطر صرف یہاں آتے ہیں۔ اس بات کا یقین نہیں آتا کہ اتنے عجیب و غریب قسم کے پرندوں اور شہر سے اتنے قریب جنگل کو محفوظ علاقہ کیوں نہیں قرار دیا گیا۔

اگر قانون بنائے بھی جائیں تو یہ دلدلی علاقہ اتنے لمبے رقبے میں ہے کہ پہلی نظر میں اسے دیکھا نہیں جاسکتا اور اس پر قانون اس وقت تک لاگو نہیں ہوسکتے جب تک کہ کافی تعداد میں لوگ تعینات نہ کیے جائیں۔ صرف پرندوں سے ہمدردی کا جذبہ ہی انھیں شکار سے روک سکتا ہے۔ بدقسمتی سے یہاں کے منظر سے لطف اندوز ہونے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور انھیں بھی اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ ان شکاریوں کو روکا جائے۔ وہ صرف ایسے منظر دیکھنے آتے ہیں جن سے انھیں اپنے خرچ کیے ہوئے روپے کی تسلی ہوسکے کیونکہ ان دلدلوں سے وہ زیادہ لطف اندوز نہیں ہوتے اس لیے یہاں Bird Sanctuaries نہیں بنائی گئیں۔ یہاں پر دلدلی علاقہ ہے اور بہت کوشش اور صبر کے ساتھ یہاں کی چڑیوں کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ مشاہدے کے لیے ایک مینار جو مناسب فاصلے پر ہے جیسے Communications بلڈنگ ہے، ایک خاص کشش پیش کرے گا جہاں سے پریشانی کے بغیر وہ چڑیوں کا مشاہدہ کرسکیں گے۔ اگر اس دلدلی علاقے کو سیلانیوں کی سیرگاہ بنایا جائے تو یہاں کی چڑیاں شکاریوں سے محفوظ رہیں گی۔ ایسی جگہ کی اصلاح سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں سیلانیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے لیکن ان کے شور وغل کی وجہ سے اس جگہ کا سکون جاتا رہتا ہے اور چڑیاں وہاں سے غائب ہونے لگتی ہیں۔ اگر سیاحوں کو ان جنگلی مقامات پر رہنے کے اصول یعنی خاموشی وغیرہ کی تعلیم دی جائے تو یہ جگہ چرند و پرند کو دیکھنے کے لیے بہترین ثابت ہوسکتی ہے۔

رینگنے والے جانوروں کی سرزمین

دودھ پلانے والے اور دوسرے جانوروں کے مقابلے میں آئی آئی ٹی کی چڑیاں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ چڑیوں میں زیادہ حرکت پائی جاتی ہے اور دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ چست ہوتی ہیں۔ چڑیاں زیادہ تر آسمان میں اڑتی رہتی ہیں۔ دوسرا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ رنگین ہوتی ہیں۔ چڑیوں کو کوئی شخص بھی آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔ جانوروں کی زندگی سے شوق رکھنے والے بہت سے لوگ جو پودوں اور جانوروں کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ آخرکار چڑیوں کے مشاہدے کی طرف راغب ہوجاتے ہیں اور دوسرے جانوروں کی زندگی میں انھیں کم دلچسپی ہوتی ہے۔

آئی آئی ٹی میں جب ہم دودھ پلانے والے جانوروں کی طرف دیکھتے ہیں تو چیتل، ہرن اور دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ نظر آتے ہیں۔ دوسری مخلوقات جیسے گیدڑ، نیولا اور خرگوش تعداد میں کم تھے اور زیادہ تر چھپے رہتے تھے۔ جانوروں کی دوسری قسمیں بہت کم نظر آتی تھیں اور رینگنے والے جانور کیمپس کے اس اصول سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ آئی آئی ٹی کے رینگنے والے جانوروں میں میرا پہلا سامنا بہت مختصر تھا۔ بہت سے لوگ جو آئی آئی ٹی کیمپس کی خیالی تصویر اپنے ذہن میں بناتے ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ جنگل ہرنوں سے بھرا ہوا ہے اور خطرناک قسم کے سانپ ہر جھاڑی اور ہر پتھر کے پیچھے آپ پر حملہ کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ تجربے نے مجھے بتایا کہ یہ تصور غلط ہے۔

سانپ سے میرا پہلا سامنا اس وقت ہوا جب انگور کی بیل پر رہنے والا ایک سانپ ہوسٹل کے ایک باغ میں آ گیا۔ ہوسٹل کی پالتو بلی بشی (Bushy) جس کی برش کی طرح دم تھی، اس کا سانپ سے سامنا ہوا اور لمبے جانور کو دیکھ کر وہ خود گھبرا گئی لیکن چونکہ وہ اس جگہ کی مالک تھی اس نے اپنے پنجوں سے سانپ پر حملہ کیا اور بددلی سے اسے کاٹنا چاہا جس سے

سانپ کے تھوڑی سی خراشیں پڑ گئیں اور وہ فوراً ہی ایک کونے میں مڑ مڑا کر بیٹھ گیا اور غصے کی حالت میں اس پر حملہ آور ہوا۔ اس پر بلی وہاں سے بھاگ گئی ہم میں سے کچھ جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے اس کا پتا کرنے کے لیے وہاں آئے۔ ہم نے دیکھا کہ گھاس کی طرح کا ہرا سانپ تین فٹ لمبا تھا جس کا سر نوکیلا تھا اور جسم پر کالے دھبے تھے۔ زمین پر بالکل خاموش لیٹا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کرے۔ جب زیادہ شوقین حضرات اس کے قریب گئے تو اس نے اپنے منہ کو بہت چوڑا کھول کر ہر ایک کو حیران کر دیا۔ وہ اندر سے گلابی دکھائی دیتا تھا اور بالکل تربوز کے رنگ کا نظر آتا تھا۔ یہ سانپ بے ضرر تھا اور زہریلا بھی نہیں تھا لیکن ظاہری طور سے وہ حملہ آور نظر آیا اور اس بات کی کوشش میں لگ گیا کہ وہ اسے باغ سے باہر نکال دیں۔ آخر کار جوزف نے اسے پکڑ کر ہوسٹل کے باہر جھاڑی میں چھوڑ دیا۔ اس نے اسے ایک کپڑے کی مدد سے پکڑا اور ایک شاخ پر بٹھا دیا۔ وہاں سے وہ فوراً ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے پہلی مرتبہ ایک سانپ کو ایک مچھلی کو نگلتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سانپوں کو دوبارا اپنے شکار کے ساتھ دیکھا ہے۔ جب تالاب خشک ہونے لگتا ہے تو سانپ اپنے آپ کو سکیڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ مچھلیوں اور مینڈکوں کے پاس ہم نے بہت سے سانپ دیکھے۔ ہم نے Rat Snakes بھی دیکھے جو زرد رنگ کے تھے اور پرانے ہاتھی دانت کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ وہ کافی لمبے اور مضبوط تھے اور انسانوں سے دور بھاگتے تھے۔ کسی شخص کو بھی دیکھ کر وہ بہت تیزی سے بھاگ جاتے تھے۔ زمین پر خشک پتیوں کے اوپر وہ خاموشی سے لیٹے ہوئے ملتے تھے اور ہمیں دیکھتے ہی بھاگ جاتے تھے۔

(جاری...)

■

ماخذ: شہر میں ایک جنگل، **مصنف:** کمارن ست سیوم، **مترجم:** عباس آصف، **مصور:** بی جی ورما، **ناشران:** چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

عشرت جہاں

انٹرنیشنل ریاضی اولمپیاڈ (IMO)

سائنس اولمپیاڈ فاؤنڈیشن اختراعی سرگرمیوں اور تعلیمی عمل میں آئی ٹی (IT) کے استعمال کے ذریعے سائنسی رویے اور مزاج کو بڑھانے اور فروغ دینے کے لیے تقریباً دو دہائیوں سے انتھک کوشش کر رہی ہے جس میں پوری دنیا کے طلبا شامل ہوتے ہیں۔ ہندوستانی ادارے اور بہت سی معروف ومشہور تنظیمیں جیسے دی برٹش کونسل، اسٹار اسپورٹس، ٹیکفسیٹ، آئی آئی ٹی بامبے (IIT Bombay)، آئی آئی ٹی کھڑک پور (IIT Khadakpur) اور ٹی سی ایس (TCS) جیسی تنظیموں کے ذریعے کارپوریٹ امور کی وزارت نے سائنس اولمپیاڈ فاؤنڈیشن کے مختلف پروگراموں میں شرکت کرنے اور اس کا تعاون کرنے کے لیے رضا کارانہ طور پر خدمات انجام دی ہیں۔

سرسید مشن اسکول (شاہین باغ) نئی دہلی کے درجہ دوم کی طالبہ خدیجہ شیرین نے انٹرنیشنل میتھ میکس اولمپیاڈ (بین الاقوامی ریاضی مقابلہ) 2018 میں حصہ لیا اور اس نے اسکول کی سطح پر اوّل، زونل سطح پر اول اور عالمی سطح پر بھی اول مقام حاصل کر کے والدین کا نام روشن کیا۔ انھیں امتیازی سند کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل گولڈ میڈل سے نوازا جائے گا۔

سال 2018 میں سرسید مشن اسکول کے طلبہ نے انٹرنیشنل اولمپیاڈ میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کیا، پچھلے سال سرسید مشن اسکول کو نیشنل اولمپیاڈ فاؤنڈیشن کی جانب سے تعلیمی ایکسیلنسی سرٹیفکٹ سے نوازا گیا تھا۔ خدیجہ شیرین کے علاوہ درجہ ایک کی طالبہ علیزہ تنویر نے اسکول کی سطح پر اول، زونل سطح پر 15 واں اور عالمی سطح پر 17 واں مقام حاصل کیا، اور امتیازی سند اور زونل ایکسیلنس سرٹیفکیٹ کے لیے منتخب ہوئیں، منزہ انجم نے اسکول کی سطح پر دوسرا، زونل سطح پر 22 واں اور عالمی سطح پر 28 واں مقام حاصل کیا، انھیں بھی امتیازی سند اور میڈل سے نوازا جائے گا۔ دعا فاطمہ خان نے زونل سطح پر 30 واں اور عالمی سطح پر 40 واں مقام حاصل کیا، ان کو اسکول گولڈ میڈل سے نوازا جائے گا۔ مریم کو اسکول سلور میڈل اور اسد کو اسکول برونز کے میڈل سے نوازا جائے گا۔

درجہ دوم کے طلبا و طالبات میں خدیجہ شیرین کے علاوہ جنھوں نے عالمی سطح پر پہلا مقام حاصل کیا ہے، محمد عمر، محمد حذیفہ، علینہ راشد اور زہرہ امتیاز کو بھی امتیازی سند اور میڈل سے نوازا جائے گا۔ درجہ دوم کے طلبا میں خدیجہ شیرین، محمد حذیفہ اور علینہ راشد کو اول مقام حاصل کرنے کے لیے انٹرنیشنل گولڈ میڈل اور امتیازی سند سے نوازا جائے گا۔ درجہ سوم و چہارم کے طلبا و طالبات میں ناصح عبداللہ، سید محمد ابرار علی، عمیر شہزاد انصاری، مجتبیٰ حیات، کلثوم فاطمہ صدیقہ، سرفراز خان، بشرا اخلاق اور محمد یوسف کو بھی ایواڈ سے نوازا جائے گا۔

■

Ishrat Jahan
G-51/8, Shaheen Bagh
Okhla, New Delhi - 25

اردو زباں ہماری

کیسی ہے پیاری پیاری، اردو زباں ہماری
پھولوں کی جیسے کیاری، اردو زباں ہماری
بھارت ہے اس کا مسکن، بھارت ہے اس کا گلشن
بھارت کی ہے دلاری، اردو زباں ہماری
ہندو بھی بولتے ہیں، مسلم بھی بولتے ہیں
لگتی ہے سب کو پیاری، اردو زباں ہماری
جھڑتے ہیں پھول منہ سے گھلتا ہے رس فضا میں
جب ہو زباں پہ جاری، اردو زباں ہماری
پھولے پھلے ہمیشہ، سارے جہاں میں یارب!
ہو ہر زباں پہ جاری، اردو زباں ہماری

مرسلہ: انشرح فاطمہ

■
Anshara Fatema
Mohammad Razique
Std. III, Urdu Primary Saifia School
Paradise Colony
Amravati (Maharashtra)

اقوالِ زریں

(1) خدا پر ہمیشہ بھروسہ رکھو کیونکہ اللہ وہ نہیں دیتا جو آپ کو اچھا لگتا ہے بلکہ وہ دیتا ہے جو آپ کے لیے اچھا ہوتا ہے۔

(2) بہترین لوگ بہترین نیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے خدا ان کے تمام کاموں کو سنوار دیتا ہے اور جس کے کام کو اللہ سنوار دے تو کوئی مخلوق اسے کیسے بگاڑ سکتی ہے۔

(3) تمہارا ایک ہی رب ہے پھر بھی تم اسے یاد نہیں کرتے لیکن اس کے کتنے بندے ہیں پھر بھی وہ تم کو نہیں بھولتا۔

(4) کوئی تمھارا دل دکھائے تو ناراض مت ہونا کیونکہ قدرت کا قانون ہے جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اسی کو مارتے ہیں۔

(5) کسی کو نصیحت کرو لیکن اس طرح کہ وہ تمھاری بات مان لے، نہ کہ تمھارا دشمن ہوجائے۔

■
Shaikh Uzma Haneef
Ali Saheb
Mohalla Nandu Bar (Maharashtra)

انصار احمد معروفی

چائے کی کھیتی

پوری دنیا کے عوام و خواص میں سب سے زیادہ اگر کوئی مشروب رائج اور مقبول ہے، تو وہ صرف چائے ہے، جب دو دوست آپس میں کہیں ملتے ہیں تو عزت افزائی کی خاطر چائے نوشی کے لیے کسی چائے کے ہوٹل کی تلاش ہوتی ہے، اور چائے پلاکر دلداری کی جاتی اور دل میں جگہ بنائی جاتی ہے۔ گھر پہ کوئی بھی مہمان آئے تو سب سے آسان اور مرغوب مشروب چائے ہوتی ہے، جس کے ساتھ دوسرے لوازمات بھی شامل ہوتے ہیں اور چائے پلاکر بہت سے کام بھی نکالے جاتے ہیں۔

چائے کا تعلق Theaceae خاندان سے ہے، چائے تیار کرنے میں ہندوستان کا مقام سب سے بلند ہے، شروع میں یہ آسام، چین اور جاپان میں ہوتی تھی، مگر آسام سے جنوبی ہند میں نیلگری کے علاقے سری لنکا، افریقہ اور سویت یونین کی جنوبی ریاستوں میں بھی اب پیدا ہوتی ہے۔

چائے دراصل ایک قسم کا درخت یا جھاڑی ہے جس کے پتوں سے یہ مشروب بنایا جاتا ہے، یہ جھاڑی سدا بہار رہتی ہے، اگر اس کے پودے کو بڑھنے دیا جائے تو وہ 30 فٹ تک اونچا ہو جاتا ہے، مگر جہاں اسے بویا جاتا ہے وہاں اسے 3 سے 5 فٹ تک رکھا جاتا ہے، ہر سال اسے چھانٹا جاتا ہے، اس کے پتے گہرے ہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔

چائے، پودے کے خشک پتوں سے تیار کی جاتی ہے، اور پتے اس وقت توڑے جاتے ہیں جب کہ پودے کی عمر کم از کم 5 سال کی ہو جاتی ہے، سب سے اچھی قسم کی چائے کے لیے کم عمر کی کلیاں توڑی جاتی ہیں، اس کے بعد اوپری پتیاں، پھر بعد میں دوسرے پتے۔ ان پتوں کو سور Cure کر کے خشک کیا جاتا ہے، ان Cure کیے ہوئے پتوں کو ابلتے پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، جس سے سیاہی بھورے رنگ کا محلول تیار ہوتا ہے، جسے دودھ یا بغیر دودھ، شکر یا بغیر شکر ملائے پیا جاتا ہے۔

چائے کی پیداوار کے لیے گرم و مرطوب آب و ہوا اور ڈھلواں پہاڑی زمین کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ پانی جمع نہ ہونے پائے، بلکہ بہہ کر نکلتا رہے۔

چائے کی پتیاں ہاتھ سے توڑی جاتی ہیں، پھر انھیں سکھایا جاتا ہے، موڑا جاتا ہے، پھر گرم کمروں میں بند کر کے رطوبت پوری طرح باہر کی جاتی ہے۔

ہندوستان میں انگریز سرمایہ داروں نے چائے کے بہت سے باغات لگائے، خاص طور پر آسام، بنگال اور نیلگری کے علاقے میں۔ انگریزی اثر ہی کی وجہ سے ہندوستان میں پچھلے سو سال میں چائے اس قدر مقبول ہوئی۔ ہندوستان میں چائے کی کاشت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اسے دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔

چائے دو طرح سے تیار کی جاتی ہے، ایک کالی چائے Black Tea ہوتی ہے، جسے گرم کرنے سے پہلے تھوڑا سا تخمیر کیا جاتا ہے، دوسری سبز چائے Green Tea ہوتی ہے جس میں یہ عمل نہیں ہوتا، سبز چائے زیادہ تر چین اور جاپان میں تیار ہوتی ہے۔

سبز چائے کی پتیوں میں کھولتا پانی ڈال کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیا جاتا ہے، پھر اس پانی کو پیالیوں میں ڈال کر پیتے ہیں، اس میں اور کوئی چیز نہیں ملائی جاتی۔

■

Ansar Ahmad
Baluwa Kurthi Jafarpur
Mau- 275305 (UP)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ایک ڈاکٹر نے اپنے ایک مریض کو بل بھجوایا جس پر درج تھا: ”آج یہ بل پورے ایک سال کا ہوگیا ہے لیکن ادائیگی اب تک نہیں ہوئی۔“

مریض نے بل پر یہ عبارت لکھ کر واپس بھجوادیا، ”سالگرہ مبارک۔“

پہلا دوست (دوسرے سے): ”تمھارے ابو کہاں گئے ہیں؟“

دوسرا: ”ہسپتال میں۔“

پہلا: ”مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا کہ وہ ہسپتال میں ہیں کیوں خیریت تو ہے؟“

دوسرا: ”خیر سے میرے ابو ڈاکٹر ہیں۔“

ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے ملاقات کا وقت لینے کے لیے مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر بغیر وقت دیے ایک مریض کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ مریض بہت خوش ہوکر کہنے لگا، ”آپ نے بڑی عنایت کی جو تشریف لائے لیکن آپ نے غالباً مجھے اگلے ماہ کا وقت دیا تھا۔“

ڈاکٹر مسکرا کر بولا: ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ دراصل تمھارے ساتھ والے بلاک میں میں نے کسی کو وقت دیا ہوا تھا۔ میں نے سوچا جب یہاں آہی گیا ہوں تو کیوں نہ ایک تیر سے دو شکار کرتا چلوں۔“

اسکول ٹیچر نے بچوں کو نیوٹن کا واقعہ سنایا: ”ایک دن نیوٹن باغ میں سیب کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ اس کے سر پر ایک سیب آگرا اور یوں اس نے کششِ ثقل کا اصول دریافت کرلیا۔“

پھر اس نے بچوں سے پوچھا: ”آپ نے اس بات سے کیا سبق حاصل کیا؟“

ایک بچہ بولا: ”یہی کہ اسکول سے غائب ہونا کتنی اچھی بات ہے۔ اگر نیوٹن اس دن اسکول گیا ہوتا تو یہ اصول کبھی دریافت نہ ہوتا۔“

پہلا دوست (دوسرے سے): ”اس بار تمھیں سالگرہ پر کیا کیا تحفے ملے؟“

دوسرے دوست نے کہا: ”تحفے تو بہت ملے لیکن ایک باجا بہت اچھا ہے۔ ایسا تحفہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملا۔“

انصاری اعجاز حفظ الرحمن

کرکٹ ورلڈ کپ

کرکٹ کا سب سے پہلا ٹورنامنٹ 1912 میں منعقد کیا گیا جس میں برطانیہ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ نے حصہ لیا لیکن وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوسکا۔ بعد میں جیسے جیسے کرکٹ کھیلنے والی ٹیموں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ویسے ویسے ٹیسٹ کھیلنے کا معیار بڑھتا گیا اور کرکٹ کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ 1960 تک اسی طرح کرکٹ کھیلا جاتا رہا جس میں ٹیمیں ایک دوسرے سے تین چار یا پانچ دن تک کھیلتی رہتیں۔

انگلینڈ نے ایک نئے طرز کے کرکٹ کو متعارف کرایا جس کو آج ہم یک روزہ کرکٹ کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ کرکٹ ابتدائی طور پر 1962 میں برطانیہ کی کاؤنٹی کی ٹیموں کے درمیان کھیلا گیا۔ جو لوگوں میں کافی مقبول ہوا لیکن یہ کرکٹ دوسرے ممالک کے درمیان کافی عرصے بعد شروع کیا گیا۔ پھر 1971 میں برطانیہ اور آسٹریلیا کے درمیان کھیلے جانے والے ٹیسٹ کے دوران خراب موسم کی وجہ سے چار دن تک کوئی کھیل نہ ہوسکا۔ دونوں ٹیموں نے چالیس اوور کی ایک ایک انگ کھیلنے کا فیصلہ کیا جس میں ہر اوور آٹھ گیندوں پر مشتمل تھا۔ جو لوگوں کو کافی پسند آیا۔ ایک روزہ کرکٹ کی مقبولیت دیکھتے ہوئے انٹرنیشنل کرکٹ کونسل (ICC) نے سب کرکٹ کھیلنے والی ٹیموں کے درمیان مقابلوں کا فیصلہ کیا جو آج ورلڈ کپ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

پہلا عالمی کپ: 7 سے 21 جون 1975 کے درمیان کھیلے گئے پہلے ورلڈ کپ میں آٹھ ٹیموں نے حصہ لیا تھا جن میں ٹیسٹ کی حامل چھ ٹیمیں ویسٹ انڈیز، انگلینڈ، آسٹریلیا، بھارت، پاکستان اور نیوزی لینڈ کے علاوہ سری لنکا اور مشرقی افریقہ شامل تھیں۔ اس ٹورنامنٹ کے فائنل میں کلائیو لائڈ کی قیادت میں کھیلنے والی ویسٹ انڈیز ٹیم نے آسٹریلیا کو 17 رنز سے شکست دی۔

دوسرا عالمی کپ: ان مقابلوں کا میزبان انگلینڈ تھا۔ اس ٹورنامنٹ میں پہلے ہی ورلڈ کپ کی طرح آٹھ ٹیمیں شریک ہوئیں۔ مگر مشرقی افریقہ کی جگہ اس بار کینیڈا کی ٹیم ٹورنامنٹ کا حصہ بنی۔ 1979 میں کھیلے گئے اس ورلڈ کپ میں ویسٹ انڈیز اور انگلینڈ کی ٹیمیں فائنل میں مد مقابل آئیں۔ ویوین رچرڈز کی شاندار سنچری اور جوئیل گارنر کی عمدہ بالنگ کی بدولت ویسٹ انڈیز نے 92 رنز سے میچ جیت کر اپنے اعزاز کو قائم رکھا۔

تیسرا عالمی کپ: 1983 میں بھارتیہ ٹیم نے کپل دیو کی قیادت میں اس ورلڈ کپ کی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور فائنل میں ویسٹ انڈیز کو شکست دے کر سب کو حیران کر دیا۔ یہ ورلڈ کپ کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ ویسٹ انڈیز کے علاوہ کوئی اور ٹیم یہ عالمی مقابلہ جیتنے میں کامیاب ہوئی۔

چوتھاعالمی کپ: 1987 کا ورلڈ کپ پہلی مرتبہ انگلینڈ سے باہر منعقد کیا گیا اور اس بار بھارت اور پاکستان نے میزبانی کی۔ برصغیر میں دن میں روشنی کے اوقات میں کمی کی وجہ سے پہلی مرتبہ اننگز کا دورانیہ ساٹھ اوورز سے کم کر کے پچاس اوورز کر دیا گیا۔ فائنل میں آسٹریلیا نے سخت مقابلہ کر کے انگلینڈ کو 7 رنز سے شکست دی۔

پانچواں عالمی کپ: 22 فروری سے لے کر 25 مارچ 1992 تک آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے میدانوں پر کھیلا گیا۔ اس ٹورنامنٹ میں پہلی بار رنگین وردیوں اور سفید گیند کا استعمال کیا گیا۔ پاکستان نے فائنل میں انگلینڈ کو 22 رنز سے ہرا کر میچ جیتا۔

چھٹا عالمی کپ: 1996 میں ہوئے اس ٹورنامنٹ کی میزبانی بھارت، پاکستان اور سری لنکا نے کی۔ اس میچ کا فائنل لاہور میں کھیلا گیا۔ اروندا ڈی سلوا نے 124 گیندوں پر 107 رن بنا کر آسٹریلیا کے خلاف سری لنکا کو ایک بڑی فتح دلوائی اور سری لنکا ٹورنامنٹ جیتنے والا پہلا میزبان ملک بن گیا۔

ساتواں عالمی کپ: یہ عالمی کپ 1999 میں منعقد ہوا۔ اس مرتبہ کرکٹ ورلڈ کپ چار برس کے وقفے کے بجائے تین برس کے بعد منعقد ہوا۔ یہ ٹورنامنٹ اپنے سیمی فائنل کی وجہ سے یاد رکھا جائے گا۔ جب آسٹریلیا کے خلاف میچ میں جنوبی افریقہ کے ایلین ڈونالڈ ایک رن نہ بنا سکے اور رن آؤٹ ہو گئے۔ یہ میچ ٹائی ہوا لیکن آسٹریلیا بہتر ریکارڈ کی وجہ سے فائنل میں پہنچ گیا۔ جہاں اس نے پاکستان کو ہرا کر دوسری بار یہ ٹورنامنٹ جیت لیا۔

آٹھواں عالمی کپ: یہ عالمی کپ 2003 میں کھیلا گیا۔ اس ٹورنامنٹ کے فائنل میں رکی پونٹنگ کے دھواں دار 140 رنز کی بدولت آسٹریلیا ہندوستان کو شکست دے کر تین مرتبہ یہ ٹورنامنٹ جیتنے والی پہلی ٹیم بن گئی۔

نواں عالمی کپ: 2007 ورلڈ کپ کا فائنل میچ ٹیموں کے لحاظ سے 1996 کے فائنل کا ری پلے ثابت ہوا، تاہم اس بار نتیجہ 1996 کے ورلڈ کپ سے الٹ رہا اور آسٹریلیا نے 28 اپریل کو کھیلے گئے فائنل میں سری لنکا کو چھ وکٹ سے ہرا کر لگاتار تیسری مرتبہ اور مجموعی طور پر چوتھی مرتبہ یہ مقابلہ جیت لیا۔

دسواں عالمی کپ: 12 فروری 2011 سے اپریل 2011 کو کھیلے گئے عالمی کپ کی میزبانی بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش نے کی۔ پہلے سیمی فائنل میں سری لنکا کی ٹیم نیوزی لینڈ کو شکست دے کر فائنل میں پہنچی اور دوسرے سیمی فائنل میں ہندوستان نے پاکستان کو ہرادیا۔ اس طرح 2011 کے دسویں عالمی کپ کا فائنل 2 اپریل کو ممبئی میں سری لنکا اور بھارت کے درمیان کھیلا گیا جس میں بھارت نے مہندر سنگھ دھونی کی قیادت میں سری لنکا کو چھ وکٹ سے شکست دے کر 28 سال بعد دوسری مرتبہ عالمی کپ کا سہرا اپنے سر باندھا۔

گیارھواں عالمی کپ: 2015 میں ہوئے عالمی کپ میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے درمیان فائنل کھیلا گیا۔ نیوزی لینڈ نے پہلی بار فائنل کے لیے کوالیفائی کیا۔ آسٹریلیا نے فائنل میں نیوزی لینڈ کو ہرا کر پانچویں مرتبہ یہ اعزاز اپنے نام کیا۔

اب تک کھیلے گئے گیارہ عالمی ٹورنامنٹوں میں آسٹریلیا کی ٹیم سب سے کامیاب ٹیم ہے جو اب تک پانچ دفعہ فاتح رہ چکی ہے۔ بھارت اور ویسٹ انڈیز دو دو دفعہ، جبکہ پاکستان اور سری لنکا ایک ایک بار کرکٹ کے عالمی کپ کے فاتح رہ چکے ہیں۔

بارھواں عالمی کپ: یہ ٹونامنٹ اس سال انگلینڈ میں 30 مئی سے 14 جولائی کے درمیان کھیلا جائے گا۔

مین آف دی ٹورنامنٹ

کارکردگی کی تفصیلات	کھلاڑی	سال
رنز456	مارٹن کرو	1992
رنز221 اور وکٹیں 7	سنتھ جے سوریا	1996
رنز281 اور وکٹیں 17	لانس کلوزنر	1999
رنز63 اور وکٹیں 2	سچن تیندولکر	2003
وکٹیں 26	گلین میک گرا	2007
رنز362 اور وکٹیں 15	یوراج سنگھ	2011
وکٹیں 22	مشیل اسٹارک	2015

مین آف دی ٹورنامنٹ

کارکردگی	کھلاڑی	سال
رنز102	کلائیو لائڈ	1975
رنز*138	ویوین رچرڈز	1979
12/3 اور 26	موہندر امرناتھ	1983
رنز75	ڈیوڈ بون	1987
33 اور 49/3	وسیم اکرم	1992
*107 اور 42/3	اروندا ڈی سلوا	1996
33/4	شین وارن	1999
140*	رکی پونٹنگ	2003
149	ایڈ گلکرسٹ	2007
91*	مہندر سنگھ دھونی	2011
36/3	جیمز فولکنر	2015

■

Ansari Ajaz Ahmad Hifzurrahman
Class: IX (B)
National Urdu High School Dhule
Millat Nagar, Dhule - 424001 (Maharashtra

ننھے فنکار

عفان شیخ رفیق، درجہ ہفتم، (بی)، ملت کالج، جلگاؤں، مہاراشٹر

مریم بتول، درجہ یو کے جی، مدرسہ درسگاہ اسلامی معروف پور، جونپور، یوپی

وسیم شیخ صلاح الدین، درجہ ہفتم، مالیگاؤں مہانگر پالیکا اردو پرائمری اسکول، نمبر 31، مالیگاؤں، مہاراشٹر

شفا بی عمران خان، درجہ ہفتم، ملت کالج، جلگاؤں، مہاراشٹر

فرحانہ یاسمین اے کے، درجہ ہشتم الیف، GVHSS، کوپّام، پالاکڑ، کیرالہ

روحی انجم، درجہ پنجم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مدکھیڑ، ضلع ناندیڑ، مہاراشٹر

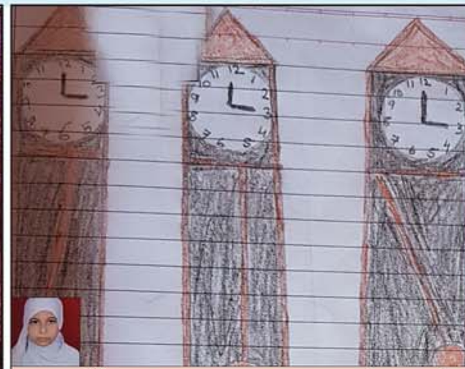

طوبیٰ سحر عرف مبک بنت محمد فاروق احمد باغبان، درجہ ششم (الف)
مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مدکھیڑ، ضلع ناندیڑ، مہاراشٹر

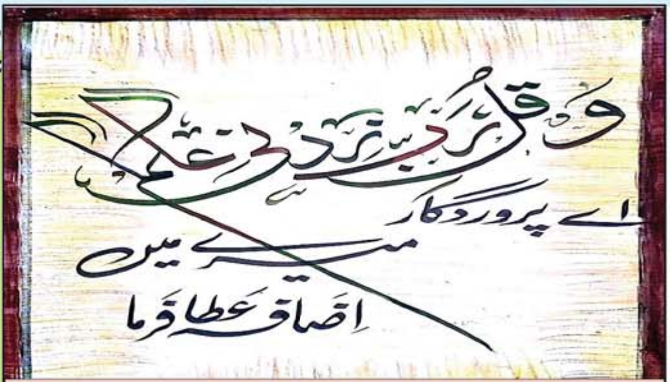

مومن ثانیہ شکیب، درجہ ہشتم (بی)، مہاراشٹر

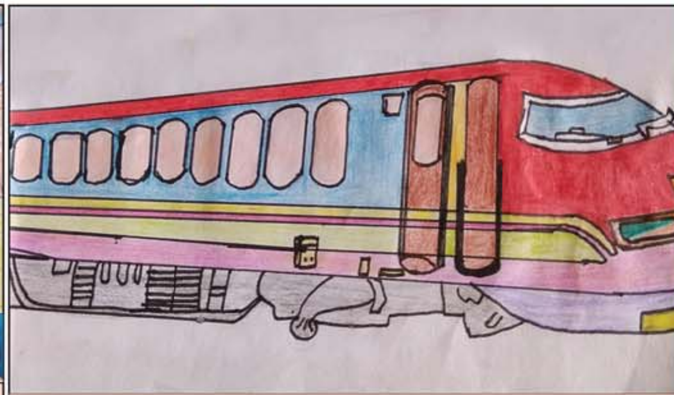

وسیم شیخ صلاح الدین، درجہ ہفتم،
مالیگاؤں مہانگر پالیکا اردو پرائمری اسکول نمبر 31، مالیگاؤں، مہاراشٹر

منیرہ انعم بنت محمد اکبر قریشی، درجہ ششم (الف)
مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مدکھیڑ، ضلع ناندیڑ، مہاراشٹر

سلمانی عرشیہ اسرار، درجہ ہشتم، مہاراشٹر

فرحانہ یاسمین اے کے، درجہ ہشتم، GVHSS کوپام، پلاکڑ، کیرالہ

اردو فیس بک facebook

مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے اور مجھے اس کی کہانیاں اور نظمیں اچھی لگتی ہیں۔

مبشرہ انعم محمد اکبر قریشی، درجہ ششم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

میرا نام کنیز فاطمہ ہے اور میں بچوں کی دنیا ایک سال سے بہت دلچسپی اور خوشی کے ساتھ پڑھتی ہوں۔ یہ رسالہ جتنا خوبصورت ہے اتنا ہی اس رسالے کی کہانیاں کہیں زیادہ مزے دار اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رسالہ میرے دل کا ایک حصہ ہے۔ اللہ اس رسالے کو دن رات ترقی کے منازل طے کرائے۔ آمین۔

کنیز فاطمہ، سمستی پور، تاجپور، بہار

میرا نام منیوہ ہے۔ بی زیڈ اردو جونیئر کالج 11ویں سائنس میں زیر تعلیم ہوں۔ بچوں کی دنیا واقعی قابل تعریف رسالہ ہے۔ اس نے بچوں ہی نہیں بڑوں کے دلوں پر بھی راج کر رکھا ہے۔ مجھے ہر مہینے اس کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔

منیوہ محمود عالم، بی زیڈ اردو جونیئر کالج، مہاراشٹر

میرا نام فاطمہ زہرا ہے۔ میں جونیئر کالج کی طالبہ ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' ایک ایسا رسالہ ہے جس نے ہر کسی کا دل جیت لیا ہے۔ میں اسے ہر ماہ بہت دلچسپی اور پابندی سے پڑھتی ہوں۔ مجھے اس رسالے کی نظمیں اور قسط وار ناول بہت پسند ہیں۔ ہماری کلاس کے بہت سارے بچے اس رسالے کو خریدتے ہیں اور بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

فاطمہ زہرا کے ایم، اصغر حسین جونیئر کالج، اکولہ، مہاراشٹر

مجھے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے اور میں ہر ماہ اس کو پابندی سے پڑھتی ہوں۔ اس میں ایک کالم 'ننھے فنکار' کے نام سے بہت پسند آیا۔

روحی انجم، درجہ پنجم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، ناندیڑ، مہاراشٹر

میرا نام نبیل مبشر ہے۔ میں کیرل کا رہنے والا ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ ہر مہینے یہ میگزین ہمارے یہاں آتی ہے اور میرے کالج کے سارے بچے اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ابھی بھی میرے سامنے جنوری کا نیا شمارہ موجود ہے۔ اس کی ساری کہانیاں، نظمیں اور مضامین دلچسپ ہیں اور معلومات کا ذریعہ ہیں۔ حمید ادیبی ناندوری کا مضمون 'جان ہے تو جہان ہے' بہت ہی دلچسپ ہے۔ میری تعلیم میں بچوں کی دنیا' ایک اہم حصہ بن گیا ہے۔

نبیل مبشر، لواء الہدی وافی کالج ملاپرم، کیرل

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

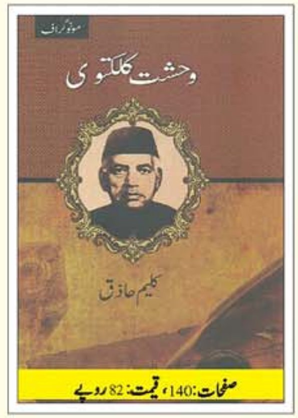

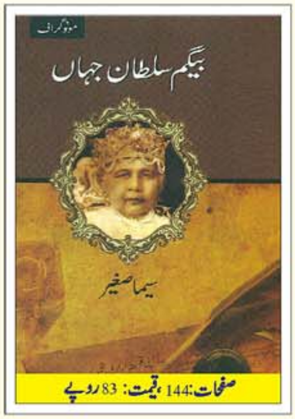

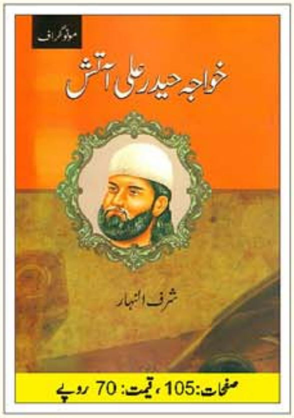

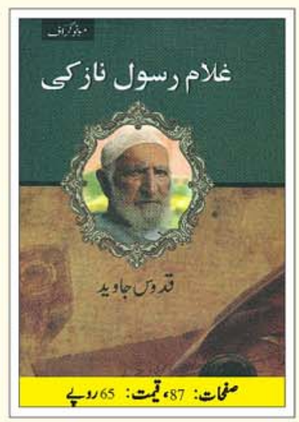

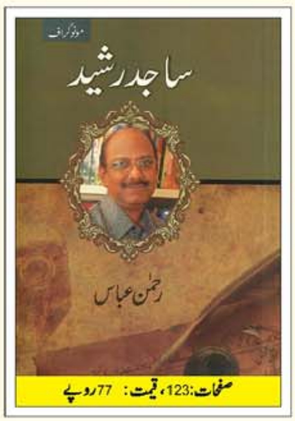

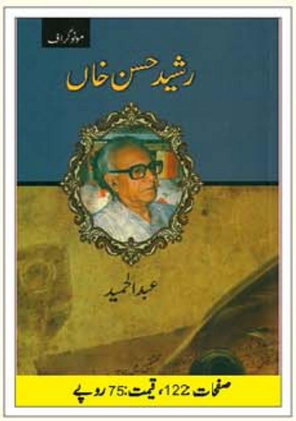

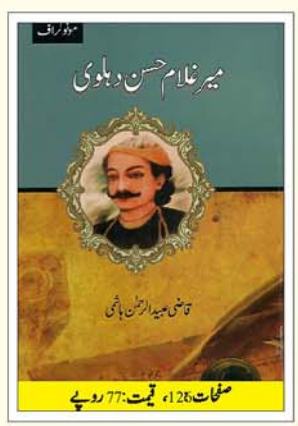

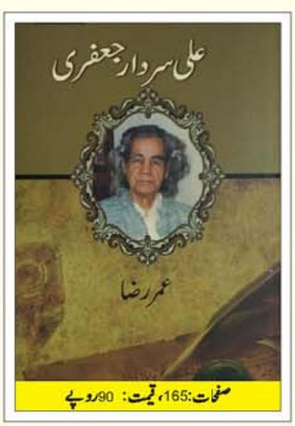

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2019, Vol. 07, Issue: 04
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات:50 ، قیمت:20 روپے

صفحات:21 ، قیمت:30 روپے

صفحات:37 ، قیمت:15 روپے

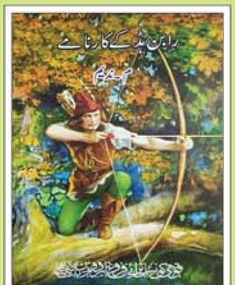
صفحات:100 ، قیمت:28 روپے

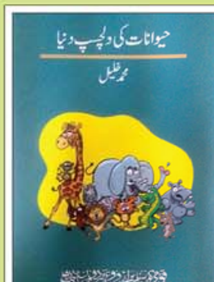

صفحات:83 ، قیمت:24 روپے

صفحات:131 ، قیمت:30 روپے

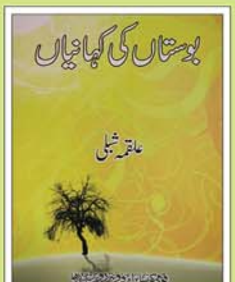

صفحات:87 ، قیمت:20 روپے

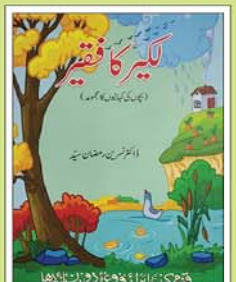

صفحات:131 ، قیمت:30 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.